ماهنامه
المرشد

اپریل
2008ء

الله
رسول
محمد

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

آزاد عدلیہ کا قیام..........روشن مستقبل کا ضامن ہے!

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

اسلام اور ایمان اصطلاح شریعت میں ایک ہی شے ہے کہ اسلام سے مراد تسلیم کر کے تصدیق قلبی تک یعنی اعمال میں اعتبار سے شروع ہو کر تصدیق قلبی تک جانا مراد ہے جبکہ ایمان میں تصدیق قلبی حاصل کر کے اتباع اختیار کرنا ہے دونوں ایک ہی شے ہیں مگر لغت کے اعتبار سے معانی الگ ہیں جیسے منافقین بظاہر اطاعت کرتے تھے دل میں ایمان نہ تھا مسلمان تو کہلاتے تھے مگر علم الٰہی میں مومن نہ تھے اور مومن کون لوگ ہیں ان کی صفات یہ ہیں کہ انہوں نے جب اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان قبول کرلیا تو زندگی بھر کبھی اس میں شک نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے اس پر جم گئے اور اپنی جان کو اپنا سمجھا نہ مال کو اپنا جانا بلکہ جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ایسے لوگ کھرے ہیں اپنے ایمان میں مگر تم کہ فائدہ اٹھانے کے لئے اطاعت کا دعویٰ رکھتے اور اللہ کی راہ میں کچھ دینے کے لئے تیار نہیں نہ جہاد کا نام لینے کے لئے تیار ہو اپنے دعوے میں کھرے نہیں ہو۔ یہ کیسا دین ہے جو تم اللہ کریم کو بتانا چاہ رہے ہو کہ ہم بڑے پارسا ہیں کہ ایسا دین اس نے تو نہیں اُتارا اور تم کوئی نئی بات بتانے کی دوسری گستاخی نہ کرو کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی سب باتوں کو جانتا ہے اور وہ ہر شے سے باخبر ہے یہ بے وقوف گویا اپنے مسلمان ہونے کا آپ ﷺ پر احسان دھرتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے کہ مجھ پہ احسان نہ کرو کہ تمہارے مسلمان ہونے سے تمہارا فائدہ ہے اور اگر نہ ہو گے تو خود تباہ ہو جاؤ گے بلکہ اگر تم اپنے دعوے اسلام میں سچے ہو اور تم نے دل سے ایمان قبول کرلیا ہے تو یہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور یاد رکھو اللہ آسمانوں اور زمینوں کی سب پوشیدہ باتیں جانتا ہے لہٰذا جو تمہارے دل میں ہے وہ اللہ کریم کو خوب خبر ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اسے بھی اللہ دیکھ رہا ہے۔

اداریہ

نومنتخب حکومت اور عوامی توقعات

پاکستان کی نومنتخب پارلیمنٹ نے حلف اٹھالیا اور اقتدار ایک نئی جمہوری حکومت کو منتقل ہوا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما مخدوم یوسف رضا گیلانی ایوان کی بھرپور تائید سے ملک کے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ عوام کو نومنتخب حکومت سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں اور کچھ لوگ اسے ایک نئے دور کا آغاز سمجھ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ پہلی بار نہیں ہو رہا اس سے قبل بھی الیکشن ہوتے رہے اور جمہوری حکومتیں بھی وجود میں آتی رہیں لیکن ان کی ناکامی کی ایک وجہ یہ تھی کہ عوامی خواہشات اور توقعات کو نظرانداز کیا جاتا رہا اور اہل اقتدار ذاتی مفادات کیلئے قومی مفادات کو پس پشت ڈالتے رہے۔

موجودہ حکومت کو بھی اس وقت بہت سے بحرانوں اور بے شمار چیلنجز کا سامنا ہے جن میں دہشت گردی اور اس کے خلاف جاری جنگ، امن وامان کی مخدوش ترین صورتحال، عدل وانصاف کی عدم دستیابی، ججوں کی بحالی، عدلیہ کی آزادی، توانائی کا بحران اور بجلی کی لوڈشیڈنگ کے علاوہ غربت، مہنگائی، بیروزگاری اور ضروریات زندگی کی عدم دستیابی جیسے مسائل سرفہرست ہیں۔ ظاہر ہے یہ سارے مسائل چشم زدن میں ختم نہیں ہوسکتے۔ ان کو سلجھانے کیلئے بہرحال وقت درکار ہوگا لیکن حکومت کو ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ عوام الناس نے چونکہ نومنتخب حکومت سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرلی ہیں اور جب توقعات حد سے بڑھ جائیں تو مایوسی در آنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی۔

عوام الناس کو کسی ممکنہ مایوسی سے بچانے کیلئے نومنتخب حکومت کیلئے ضروری یہ ہے کہ وہ فی الفور عوام کو زیادہ سے زیادہ ریلیف فراہم کرے۔ مہنگائی نے بالخصوص وطن عزیز کے عام شہری کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے اور بنیادی ضروریات کی تکمیل بھی مشکل ترین بن چکی ہے۔ اس صورتحال میں نومنتخب حکومت کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ سب سے قبل مہنگائی کے بڑھتے ہوئے طوفان پر قابو پائے۔ اس کار خیر میں ذرا سی تاخیر بھی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ غربت اور مہنگائی نے عوام الناس کو اس حد تک ادھ موا کردیا ہے کہ اب ان کیلئے مہینے اور دن نہیں، لمحے بھی گراں گزر رہے ہیں۔

نومنتخب حکومت کے سامنے دوسرا اہم ایشو ججوں کی بحالی اور عدلیہ کی آزادی کا ہے۔ عدلیہ کی آزادی ایک ایسا ایشو ہے جس کی ضرورت واہمیت اور ناگزیریت سے تو کسی ذی شعور کو انکار نہیں لیکن باشعور حلقے مسلسل اس بات کا تقاضا کررہے ہیں کہ اس انتہائی ضروری مگر حساس مسئلہ کو جذباتی انداز میں حل کرنے کی بجائے گہرے غور وخوض اور حقائق کے کامل ادراک کے بعد ٹھوس بنیادوں پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حل ہونا چاہئے۔ نیز حصول انصاف کی راہ میں کھڑی تمام رکاوٹوں کو بھی دور کرنا چاہئے تاکہ عام آدمی کو فوری اور سستا انصاف میسر آئے۔

گزشتہ دنوں دارالعرفان منارہ میں امیر محمد اکرم اعوان نے میڈیا کے نمائندوں سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''معزول ججوں کی بحالی کا معاملہ احتیاط اور سنجیدگی سے لیا جانا چاہئے۔ اگر صدر مشرف کے 3 نومبر کے بعد کے تمام احکامات غیر آئینی قرار پاگئے تو پھر 18 فروری کے انتخابات کا مستقبل کیا ہوگا؟ نومنتخب حکومت کی سیاسی بصیرت کا امتحان شروع ہوچکا ہے۔ ملک اب اداروں کے تصادم کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ ایسا راستہ نکالنا ہوگا کہ سانپ بھی بچ جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' امیر محمد اکرم اعوان نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''آزاد عدلیہ کے قیام کا مطالبہ 16 کروڑ عوام کی آواز ہے لیکن معاملات کو جس انداز میں متنازعہ بنادیا گیا ہے اس سے نومنتخب وزیراعظم کا ٹیسٹ بھی شروع ہوچکا ہے۔ 30 دنوں میں اگر ججز کی بحالی نہ ہو اور کچھ تاخیر ہوجائے تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ ملک میں اب مزید افراتفری پیدا نہ ہو کیونکہ ملک پہلے ہی گھمبیر مسائل میں گھر چکا ہے اور مہنگائی اور لاقانونیت نے عام آدمی کا جینا مشکل کردیا ہے۔ لہٰذا قومی اتفاق رائے سے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوگا۔''

امیر محمد اکرم اعوان کے اس تفصیلی بیان کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اہل فکر ونظر کے نزدیک اس اہم قومی مسئلہ کی اہمیت کیا ہے اور وہ اسے کس انداز میں حل ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس صورتحال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ نومنتخب حکومت عدلیہ بحران پر مشاورت کا دائرہ وسیع کرے اور اس انتہائی اہم مسئلہ پر جذباتیت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے فکر وتدبر اور بصیرت کو بروئے کار لاکر اس مسئلہ کو ایسے انداز میں حل کرے کہ بقول امیر المکرم ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

Mu—d Aslam

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر
نشانِ منزل
کونسی ایسی بات ہوئی ہے
سوچ سمندر
متاعِ فقیر
آس جزیرہ
دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

نعت

دعویٰ مجھ کو ہے تیری اُلفت کا
خواہشِ نفس کا اسیر ہوں میں

تھام لو گے سنبھل ہی جاؤں گا
آستاں کا ترے فقیر ہوں

در پہ تیرے دراز ہے دامن
نام لے کر ترا امیر ہوں میں

روک سکتا نہیں ہوں خود کو بھی
ایک ٹوٹی ہوئی لکیر ہوں میں

دستِ اقدس میں تُو اگر لے لے
تو کمانِ حق ہوں' تیرا تیر ہوں میں

جانتا ہوں خطا کا پتلا ہوں
حال میرا ہے یہ فقیر ہوں میں

میں نگاہِ کرم کا طالب ہوں
اور تری زُلف کا اسیر ہوں میں

اب بدل دیجیے حضورؐ مجھے
آپ قاسم ہیں اور فقیر ہوں میں

اقوالِ شیخ

☆......اسلامی عقیدے کے مطابق موت بھی حیات کی طرح اللہ کی مخلوق ہے، موت ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر انسان اگلی دنیا میں قدم رکھتا ہے، موت کسی فنا کا نام نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ایک درجے سے دوسرے درجے میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

☆......اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے جس کے ہر پہلو میں عظمت صرف اللہ کے لئے ہے، چھوٹا کام ہو یا امور سلطنت اُس میں خوبی، بھلائی، عزت، سربلندی اور سرفرازی کا جو پہلو بھی نکلتا ہو وہ اللہ کے لئے ہو۔

☆......جب تک دل عظمت باری کا اقرار نہیں کرے گا، بات زبانی ہی رہے گی، عمل کی توفیق ہونا محال ہے۔

☆...... مذہب انسان کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اس لئے انسان اس کی خانہ پُری ضرور کرتا ہے۔

☆...... اگر کسی کمال کے بعد کوئی زوال آجاتا ہے تو اس میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی رحمت پنہاں ہوتی ہے اور انسان کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس پر وہ دور آئے۔

☆...... یہ اللہ کا مقرر کردہ نظام ہے کہ ہر گھر میں صحت و بیماری، امارت و غربت، طاقت و کمزوری، جوانی و بڑھاپا، اقتدار و زوال آتا ہے۔

☆......تصوف یہ ہے کہ انسان کے دل میں، اس کے باطن میں اللہ پر بھروسہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، یہ صلاحیت ایک کیفیت ہے جو محض کتابیں پڑھنے سے نہیں آتی۔

☆...... صبر یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر اس طرح جم جانا کہ نافرمانیوں کو دھکیل کر اپنا راستہ بناتے چلے جانا۔

☆...... یقین و ایمان ایک کیفیت ہے جو دل پر وارد ہوتی ہے جس کی وجہ سے گناہ کی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے اور اعمال میں اللہ کی اطاعت کا رنگ غالب آتا ہے۔

بعثتِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

بعثتِ کی برکات حاصل کرنے کے لئے ایمان شرط ہے اور ایمان کے ساتھ دین وابستہ ہے' دین نام ہے ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ بعثت عالی کے ساتھ جہاں معجزات و برکات ہیں وہاں ارشادات عالیہ بھی ہیں جن کی پاسداری کرنا پڑتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے اندر آنے کے لئے اپنی تراش خراش کرنا پڑتی ہے۔ پاکیزگی اپنانے کے لئے صفائی کرنا پڑتی ہے ہمت ومحبت سے کام لینا پڑتا ہے' رسومات ورواجات چھوڑ کر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنانا پڑتی ہیں اور اپنی رائے و پسند سے دستبردار ہو کر اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند میں فنا کرنا پڑتا ہے لیکن تب جب کوئی بعثت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حصہ پائے۔

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 07-03-2008

الحمدللہ رب العلمین o

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَّالہٖ

واصحابہٖ اجمعین o

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم o

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیُم o

لقدمن اللّٰہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمتہ وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین o

اللّٰھم سبحٰنک لا علملنا الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً

عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصُرُوا

الحمدللہ ماہ مبارک ربیع الاول کی آمد آمد ہے برادران اسلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت منائیں گے جلسے جلوس ہوں گے اور جشن منائے جائیں گے لیکن ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کے لائق کیا ہے اور ہمیں کس طرح اللہ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس موضوع پر رب جلیل نے کیا ارشاد فرمایا ہے کہ کس طرح اللہ کے اس احسان کا شکر ادا کیا جائے یوں تو اللہ کریم کے ساری مخلوق پر بے پناہ احسانات ہیں ساری مخلوق کو اس نے عدم سے وجود عطا فرمایا ہر وجود میں عجیب وغریب اوصاف رکھے انسان کو بے حد وحساب صلاحیتوں سے نوازا اس قابل بنایا کہ انسان نے قدرت کے مخفی خزانوں کا پتہ چلایا اپنی خداداد عقل وجستجو کو بروئے کار لا کر نت نئی ایجادات کیں۔ پھر ساری مخلوق کو انسان کی خدمت پر لگا دیا مثلاً ایک ادنیٰ مخلوق شہد کی مکھی کو ہی دیکھئے کیسے کیسے کمالات اس چھوٹی سی

مخلوق کو عطا کئے ہیں کہ جس طریقے سے مکھی رس سے شہد بناتی ہے ویسے انسان نہیں بنا سکتا حالانکہ آج انسان اپنی مادی ترقی پر خود حیرت زدہ ہے اگر ایک مکھی میں اللہ نے اتنی خصوصیات رکھی ہیں تو باقی کی مخلوق میں کس قدر خوبیاں رکھی ہوں گی اور ان سب سے بڑھ کر اللہ نے جسے اشرف المخلوقات قرار دیا وہ انسان ہے اُسے اللہ نے اپنی بہترین صنعت قرار دیا ہے **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** (سورۃ التین آیت ۴) اس میں کئی اوصاف رکھے ہیں انسانی وجود، اسکی حسیات، ذہن، طبائع، مزاج، فکروشعور، قلب وروح بے پناہ اور بے حساب علم قوت تحقیق ایسی کہ ایک ایک موضوع پر دنیا کی لائبریریاں تصانیف سے اَٹی پڑی ہیں لیکن پھر وہ تحقیق حرف آخر نہیں ہے بلکہ فکر و تحقیق کے کئی میدان اور اُن میں گہرائی اور وسعت پہلے سے زیادہ موجود رہتی ہے۔ یوں اللہ کے انعامات کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے قرآن حکیم میں اللہ کریم فرماتے ہیں **وان تعدوا نعمته الله لا تحصوها** (سورۃ النحل آیت ۱۸) کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ سائنس نے تحقیق کر کے بتایا ہے کہ انسانی وجود کے انتہائی خفیف جز کو **D.N.A** کہتے ہیں اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ڈی این اے میں اس وجود کے پیدا ہونے سے مرنے تک کے تمام انقلابات زندگی کی تفصیل موجود ہے اس کے مطالعے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس کے جسم میں کیا تبدیلیاں کب رونما ہونگی، اسکی ذہنی وجسمانی استعداد کیسی ہوگی غرض اس کے وجود میں آنے سے موت تک کا پروگرام اس کے ڈی این اے میں موجود ہوتا ہے اور ڈی این اے صرف انسانی وجود میں ہی نہیں ہوتے بلکہ کائنات کی تمام مخلوقات کے اپنے ڈی این اے ہیں اگر تمام تخلیقات کے ڈی این اے جمع کر لئے جائیں تو ایک چائے کے چمچ پر آ سکتے ہیں دیکھئے کیسا مربوط اور لطیف نظام ہے رب العالمین کا! اور رب کریم نے جب یہ فرمایا **ونحن اقرب اليه من حبل الوريد** (سورۃ ق آیت ۱۶) کہ میں انسانوں کی رگِ جان سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہوں تو پتہ چلتا ہے اس ذات کی عظمت کا کہ اس نے انسان کے اپنے اندر ڈی این اے رکھا ہے جو انسان کے کتنا قریب ہے اتنی وسیع اور اتنا قریب تو وہ ذات خود کس قدر قریب ہے یہی فرمایا اس آیت مبارکہ میں کہ اللہ کی ذات بندے کے قریب سے بھی قریب ترین ہے۔

اتنے احسانات کے باوجود جب قرآن حکیم میں اللہ پاک اپنے احسان کا تذکرہ فرماتے ہیں تو یہ بیان ہوتا ہے **لقد من الله على المومنين اذبعث فيهم رسولاً** اللہ پاک فرماتے ہیں زمینوں آسمانوں، پر ساری مخلوق پر میرے بے پناہ احسانات ہیں لیکن میرا بہت ہی بڑا احسان یہ ہے کہ میں اپنے رسول ﷺ کو مبعوث کیا ہے یہ میرا وہ احسان ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ یعنی جو احسان اللہ نے بندہ مومن پر رکھا ہے اسکی کوئی مثال نہیں وہ احسان کیا ہے؟ یہ کہ اپنا رسول ﷺ مبعوث فرمایا۔

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اپنا رسول ﷺ پیدا فرمایا یہاں ولادت باسعادت کی بات نہیں کی۔ ولادت باسعادت بلاشبہ ایک عظیم نعمت ہے لیکن مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جتنی برکات ولادت باسعادت سے منسوب ہیں وہ تمام مخلوق کے لئے عام ہیں اُن میں انسان، حیوان، چرند، پرند زمین و آسمان کی ساری مخلوق شامل ہے اس میں مومن و کافر کی تفریق نہیں یہ سب کے لئے ہے اس کا تعلق اللہ کی صفت رحمانیت سے ہے اللہ کی اس صفت کے طفیل کافر بھی دولت حکومت پاتے ہیں وہ جو اللہ ہی کا انکار کرتے ہیں اُسے نہیں مانتے انہیں پھر بھی اللہ دیئے جا رہا ہے ادنیٰ مخلوق سے اعلیٰ مخلوق سب کو اللہ کی نعمتیں میسر ہیں لیکن اللہ کی اس صفت کا ظہور عالم دنیا پر عام ہے

دنیا نے ہمیشہ نہیں رہنا۔ دنیا کو دوام نہیں اسی طرح اس صفت کا ظہور اسی دنیا کے لئے ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے رحمن الدنیا ورحیم الآخـرۃ ۔اللہ پاک کی صفت رحمیت کا ظہور ابدالآباد کی زندگی کے لئے ہے لیکن اللہ کی رحمیت دار دنیا ہی میں حاصل کرنا ضروری ہے۔ جسے رحمیت سے حصہ ملا اُسے یہاں بھی ملا موت میں بھی ملا۔ بعد الموت بھی ملا۔ برزخ میں بھی ملے گا' آخرت میں بھی' جنت میں بھی جسے رحمیت عطا ہو گئی اس سے چھینی نہیں جائے گی۔ رحمیت دونوں جہانوں کے لئے ہے اس عالم کے لئے بھی اُس عالم کے لئے بھی۔ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو ساری کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے جتنی رحمتیں اللہ نے تقسیم کرنی ہیں اُن سب کا جامع بنا کر حضور ﷺ کو مبعوث کر دیا ہے اور کافر چونکہ آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ نہیں ہوتا اس لئے وہ محروم رہ جاتا ہے۔ زندگی بھر صفت رحمان کے ذریعے سب نعمتیں وصول کرتا ہے لیکن آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ نہ ہو کر رحمیت سے حصہ نہیں پاتا۔ لیکن جس کے ہاتھ آپ ﷺ کا دامن خیر آ گیا اس پر تو اللہ نے اپنے احسانات کی حد کر دی۔

ولادت باسعادت سے جتنی برکات وابستہ ہیں ان کا تعلق رحمانیت سے ہے اسی لئے اگر دائی حلیمہ کی کمزور سانڈنی دوسروں سے آگے نکل گئی تو دائی حلیمہ اس وقت تک ایمان واسلام سے واقف نہیں تھیں۔ اگر قوموں پر مجموعی عذاب ہٹا لیا گیا تو اس وقت اقوام مسلمان نہیں تھیں۔ اگر ولادت باسعادت سے قوموں کی اجتماعی ہلاکت اور آسمانی عذاب ختم ہو گئے تو وہ قومیں نہ تو مومن تھیں نہ ہی گناہوں سے باز آ گئی تھیں۔ یعنی ولادت باسعادت ہر کافر ومومن کے لئے عام تھیں لیکن اللہ نے جسے اپنا احسان عظیم بتایا وہ آپ ﷺ کی بعثت ہے اور بعثت کے ساتھ کیا انعامات آئے؟ فرمایا یتلوا علیھم ایٰتِہٖ میرے رسول ﷺ نے ایمان والوں کو اللہ سے ہم سخن کر دیا۔ میرے نبی ﷺ نے میری باتیں میرے بندوں تک پہنچائیں یعنی زمین پر چلتے پھرتے ہوئے ایک مشت غبار کو کہاں اور کن بلندیوں پہ پہنچا دیا کہ وہ اپنے خالق ومالک سے محو گفتگو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی رب العالمین سے باتیں کرنا چاہے تو فلیقـر القرآن تو اسے چاہیے کہ وہ قرآن کی قرأت کرے قرآن پڑھے تو اللہ اس سے باتیں کرے گا۔

اسی پر بس نہیں کیا کہ اللہ کا ذاتی کلام اللہ کے بندوں تک پہنچایا بلکہ ایک اور انعام کیا ویـزکیھـم اُن کا تزکیہ کر دیا۔ انہیں پاک کر دیا انسان تو خاک کا پتلا تھا وجود انسانی تو مٹی سے بنا اور اس میں روح عالم امر سے ڈالی گئی یہ تو عجیب آمیزہ تھا کثیف ولطیف کا مجموعہ۔ کثیف ترین چیز مادہ اور لطیف ترین چیز روح دو مختلف چیزوں کو جوڑ کر رب العالمین نے انسان بنا دیا لیکن فرمایا میرے نبی ﷺ نے یہ احسان کیا کہ روح کو برکات عطا کر کے اس کثیف مادی وجود کا ایسا تزکیہ کیا کہ ہر ذرہ وجود میں اللہ کی یاد بسا دی۔ حضور ﷺ کے تو ارشادات کی یہ عظمت ہے کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو کوئی ارشاد نبوی ﷺ سیکھنے' دین سیکھنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اللہ کے نزدیک اسکی عظمت یہ ہے کہ فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے اپنے پر رکھتے ہیں۔ اس ارشاد پاک کے مفہوم میں کہیں یہ تخصیص نہیں ہے کہ وہ شخص کس زمانے کا ہے بلکہ چودہ صدیوں بعد بھی ایک ایک ارشاد رسول ﷺ کی یہی عظمت ہے کہ جہاں وہ پاؤں رکھتا ہے اس کا پاؤں رکھنے سے پہلے فرشتہ پر بچھا دیتا ہے تو جن خوش نصیبوں نے حضور ﷺ کو روبرو دیکھا' اپنے دلوں میں بسایا' رگ جان کے پاس رکھا انکے ہر بن مُو سے نکلا اللہ اللہ۔ اُن کے اس حال پر قرآن حکیم نے گواہی دی ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ (سورۃ الزمر آیت ۲۳) یعنی اُن کی جلد سے لیکر نہاں خانہ دل تک ہر

سیل ہی نہیں ہر ڈی این اے میں اللہ کی یاد بس گئی اور جسے زندگی میں ایک نگاہ نصیب ہوگئی وہ خواہ انپڑھ تھا یا عالم' مرد یا عورت' جوان' بوڑھا یا بچہ شرف صحابیت سے سرفراز ہوگیا۔ ایک نگاہ پاک نے وہاں پہنچا دیا کہ ساری دنیا کے پارسا جمع ہوجائیں قیامت تک کے تمام اولیاءاللہ کی ولایت جمع ہوجائے صحابی کی گرد پا کو نہیں پاسکتے۔ جب ایک نگاہ میں یہ اثر ہے تو جن کو تئیس برس صحبت عالی میں نصیب ہوئے انہوں نے کیا سمیٹا ہوگا۔ اگر ایک کلمہ حق ایک ارشاد پاک سیکھنے والے کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں وہاں کوئی تزکیہ کروا لے' زندگی بدل کر حضورﷺ کے احکام کے مطابق کردے تو اس پر کیا کیا نچھاور ہوتا ہے۔ یہ وہ احسان عظیم ہے یہ بعثت رسول اللہﷺ ہے اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کرنے کے لئے نبی رحمتﷺ کی بعثت کی بات کرنا چاہیے' اسے سمجھنا چاہیے لیکن ہم بعث رحمت عالمﷺ کی بات کیوں نہیں کرتے؟ ولادت کی بات ہی کیوں کرتے ہیں؟ ولادت باسعادت سے معجزات ظہور پذیر ہوئے' نعمتیں عطا ہوئیں ہم بھی صرف لینا ہی چاہتے ہیں جیسے ولادت باسعادت کی رحمتوں سے کافر بھی حصہ پاتے ہیں ویسے ہی مومن بھی پاتے ہیں اور بعثت رحمت عالمﷺ کی بات ہم اس لئے نہیں کرتے کہ بعثت کی برکات حاصل کرنے کے ایمان شرط ہے اور ایمان کے ساتھ دین وابستہ ہے۔ دین نام ہے ارشادات رسولﷺ کا۔ بعثت عالی کے ساتھ جہاں معجزات و برکات ہیں وہاں ارشادات رسولﷺ بھی ہیں جن کی پاسداری کرنا پڑتی ہے۔ آپﷺ کے لائے ہوئے دین کے اندر آنے کے لئے اپنی تراش خراش کرنا پڑتی ہے۔ پاکیزگی اپنانے کے لئے صفائی کرنا پڑتی ہے ہمت و محنت سے کام لینا پڑتا ہے رسومات و رواجات چھوڑ کر سنت رسولﷺ اپنانا پڑتی ہیں اپنی خواہشات کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے چھوڑنا پڑتا ہے اور اپنی رائے و پسند سے دستبردار ہو کر اُسے حضورﷺ کی پسند میں فنا کرنا پڑتا ہے اور یہ سب کچھ کرنا حضورﷺ کی برکات آسان کردیتی ہیں لیکن تب جب کوئی بعثت رحمت عالمﷺ سے حصہ پائے۔

یاد رہے جو بارشیں برس رہی ہیں' جن پر مخلوق کی بقاء کا انحصار ہے' جو ہوا باغوں میں اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی ہے جو پھول کھل رہے ہیں اور چمن آباد ہے' شہر بس رہے ہیں اور دنیا کو عیش و آرام میسر ہے یہ سب کچھ بطفیل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہﷺ ہے یہ امت آخری امت ہے یہ رسول آخری رسول ہیںﷺ اور یہ قرآن آخری کتاب ہے جب لوگ اس کتاب کو بھول جائیں گے جب نبی کریمﷺ کی برکات کا تسلسل اس دنیا کے لئے رک جائے گا اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں رہے گا جو اللہ کا نام لے تو دنیا ختم ہوجائے گی۔ باغ اجڑ جائیں گے' بادل ختم ہوجائیں گے' آسمان گر جائیں گے' ستارے جھڑ جائیں گے' سورج بے نور ہوجائے گا' پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے اور سمندر خشک ہوجائیں گے۔

آپﷺ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا حتیٰ لا یقال اللہ اللہ کہ جب دین ختم ہوجائے گا تو دنیا اس کے ساتھ ہی ختم ہوجائے گی دنیا کی زندگی ایک پل بھی باقی نہ رہے گی۔ تو ہر کسی کو تمام نعمتیں حضورﷺ کے طفیل آپﷺ کے دین کے طفیل اور اللہ اللہ کے طفیل ملتی ہیں۔ بندہ مومن کو خصوصاً ملتی ہیں۔ اللہ نے تو اپنا تعارف ہی یہ کروایا ہے **ھوا الذین ارسل رسولہ' بالھدی و دین الحق یظھرہ علی الدین کلہٖ و کفیٰ باللہ شھیداً** (الفتح آیت ۲۸) اللہ وہ ہے جس نے محمد رسول اللہﷺ کو مبعوث کیا۔

اے لوگو! اگر تم اللہ کو جاننا چاہتے ہو اللہ کا تعارف چاہتے ہو اللہ کی عظمت سے آشنا ہونا چاہتے ہو تو اس کے محبوبﷺ کو اس کے پیغمبر کو اس کے رسولؐ کو دیکھ لو تمہیں سمجھ آجائے گی کہ وہ کیسا عظیم ہے۔

جب مخلوق کا یہ عالم ہے تو خالق کیسا ہوگا! سو اللہ کا پتہ تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی بتاتے ہیں لہذا کفر کا پردہ ہٹا کر دیکھو نور ایمان کی روشنی آنکھوں میں لاکر دیکھو نور ایمان کو دل میں بسا کر دیکھو۔ اس لئے کہ اگر کفر ہوگا تو شاید تم نظریں تو اٹھاؤ مگر دیکھ نہیں پاؤ گے۔ ینظرون الیک وھم لا یبصرون (الاعراف ۱۹۸) اللہ پاک کفار کے بارے فرماتے ہیں میرے نبی ﷺ کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں مگر آپ ﷺ کو دیکھ نہیں پاتے۔ جو نہیں دیکھ پاتا وہ آپ ﷺ کی اداؤں سے محروم ہے۔ حضور ﷺ کی سنتیں ہی آپ ﷺ کی ادائیں ہیں اور جو سنتوں سے محروم ہے کیا وہ برکات سے مستفیض ہوگا؟ صرف ولادت باسعادت منانے والوں کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے ہماری ضروریات یہ ہے کہ ہم اللہ کے احسان عظیم کو یاد کریں جس کے بارے اس نے خود فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اے وہ لوگو جنہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہے جو احسان میں نے تم پر کیا ہے وہ کسی شمار میں نہیں آسکتا اسکی عظمتوں اور وسعتوں کو کوئی نہیں پاسکتا اس لئے کہ میں نے تم میں اپنا رسول مبعوث کر دیا جس نے تم خاک نشینوں کو ذات باری تعالیٰ سے ہم سخن کر دیا اور تمہیں وہ طہارت پاکیزگی عطا کی کہ فرشتے تمہاری زیارت کو ترستے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ پل صراط کے نیچے جہنم کی ایک وادی ہے جس کی آگ بھڑک بھڑک کر سیاہ ہو چکی ہے بڑی گہری وادی ہے اور بڑی شدید آگ۔ اس پر سے اُمت کے کچھ ایسے لوگ گزریں گے کہ جہنم چیخ اٹھے گی کہ اللہ پاک انہیں جلدی گزار ورنہ میری آگ سرد ہو جائے گی قرآن کریم میں آتا ہے کہ ایسے لوگ پہلوں میں سے تو بہت ہوں گے اور قیامت تک آنے والوں میں سے تھوڑے بھی ایسے ہوں گے ثلۃ من الاولین ٥ وقلیل من الاٰخرین. (الواقعہ آیات ۱۳ تا ۱۴) تیری تجلیات اُن کے چہروں پر برستی ہوں گی ان کے دل تیری یاد سے فروزاں ہوں گے اور انکے وجودوں کے گویا ڈی این اے تک میں تیری یاد کا نور ہوگا اور جہنم پکار کر فریاد کرے گی کہ ان کے اخذ فیض سے جو تیری تجلیات کا نور ان میں ہے اس سے میری آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم (التحریم آیت ۸) ان کا نور ان کے ساتھ ہوگا۔ تو اُمت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوۃ والسلام جب گزرے گی تو دیکھنے کا نظارہ ہوگا اور اللہ کے چاہنے والوں کی تو بات ہی اور ہوگی۔ بندہ مومن کو آج اس فکر کی ضرورت ہے کہ وہ جانے اور سمجھے کہ بعثت عالیٰ اللہ نے ھدیٰ کا ذکر کیا ہے۔ ھدیٰ کیا ہے؟ ھُدیٰ کا معنی ہے کام کرنے کا صحیح طریقہ ارسل رسولہ بالھدیٰ اور کام کرنے کے صحیح طریقے کو خواہ وہ روزی کمانے کا ہو' معاملات زندگی کا نظریات وعقائد کا انفرادی زندگی کا ہو' خاندانی' قومی یا بین الاقوامی زندگی کا اس طریقے کو سنت خیر الانام کہتے ہیں اور آپ ﷺ کی سنت نہ صرف صحیح ترین ہے بلکہ آسان ترین بھی ہے خط مستقیم کی طرح سیدھا اور آسان۔ سورۃ فاتحہ میں بھی اس کی بات کی گئی ہے اھدنا الصراط المستقیم. اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا جو اس طرح زندگی بسر کر رہا ہے اسکا کھانے پینے سے آرام کرنے تک ہر گوشہ حیات آپ ﷺ کی سنتوں کا حامل ہوگا اور یہی دین حق ہوگا ایسے شخص کا سونا بھی عبادت جاگنا بھی عبادت کھانا بھی عبادت آرام کرنا بھی عبادت ہوگا کیونکہ وہ اپنے ان تمام کاموں میں اُن طریقوں کو اپناتا ہے جو میرے حبیب ﷺ کے ہیں۔

دنیا میں بے شمار تہذیبیں آئیں ہمیشہ انبیاء نے ہی حق کا راستہ دکھایا تمام انبیاء اپنے اپنے وقت میں تشریف لائے ایک خاص وقت کے لئے آئے اور اپنا اپنا کام کر کے چلے گئے تا آنکہ آپ ﷺ مبعوث

ہوئے۔ آپ ﷺ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک کی ساری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے عرب کے ریگزاروں میں بیٹھ کر روئے زمین پر قیامت تک آنے والے افرادِ انسانی کے لئے ضابطہ حیات عطا کر دیا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ دنیا کے دانشور سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں آئین و دستور بناتے ہیں اور جب نفاذ کی باری آتی ہے تو بیسیوں ترامیم کرنا پڑتی ہیں حضور ﷺ نے جو آئین و دستور دیا اس میں نہ ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے نہ تنسیخ کی نہ وہ کبھی پرانا ہوگا نہ تبدیل حالانکہ دنیا بھر میں زبانیں مختلف' اقوام مختلف' علاقے مختلف' جغرافیائی حالات مختلف ہیں کہیں سرد علاقے ہیں اور کہیں دھوپ کی تمازت دم نہیں لینے دیتی ان سب اختلافات کے باوجود ان سب میں رہتے بستے ہوئے ہر جگہ انہی ضابطوں اور قوانین پر عمل کرنا نہ صرف ممکن ہے بلکہ سب سے سہل بھی ہے۔ الھدیٰ کا معنی ہی ہے سب سے سہل۔ اللہ کے نزدیک اسلام سب سے زیادہ پسندیدہ' خوبصورت' باعزت راستہ ہے اور ہم کلمہ پڑھتے ہیں ایمان جیسی نعمت ہمارے پاس ہے حضور ﷺ کی بعثت کے بعد سے کمالاتِ بعثت ہمارے لئے کھلے ہوئے ہیں اور دورِ حاضرہ پر نگاہ ڈالیں تو ملکی میڈیا کے اعداد و شمار کے مطابق ستر سے زائد اسلامی ممالک ہیں لیکن کہیں بھی مسلمانوں کا حال اچھا نہیں کفار کے پنجہ استبداد میں ہیں مظلوم و مقہور ہیں مارے جا رہے ہیں۔ اس کی کوئی وجہ تو تلاش کرنا چاہیے!۔

تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا پر بے شمار تہذیبیں آئیں ان پر عروج بھی آیا زوال بھی انیسویں صدی عیسوی میں دانشوروں کے نزدیک سولہ سترہ تہذیبیں ایسی تھیں جو سر بر آوردہ تھیں لیکن صدی کے اختتام پر صرف دو رہ گئیں ایک تہذیبِ مغرب جس نے بیشتر تہذیبوں کو نگل لیا اور آج مغرب سے عقیدہ مختلف رکھنے کے باوجود بود و باش اور روزمرہ کے معمولات میں سب ایک جیسے ہو گئے ہیں سب پر مغربیت چھا گئی ہے۔ صرف اسلام ہے جسے تہذیبِ مغرب نگل نہیں سکی۔ صرف اسلام وہ تہذیب ہے جس میں صرف حضور ﷺ کے طور طریقوں کو اپنایا جاتا ہے اور باقی کسی طریقے کی پرکاہ اہمیت نہیں ہوتی بندہ مومن نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرتا ہے انکی ہدایات کے مطابق معمولاتِ زندگی اپناتا ہے لباس و کھانے پینے تک میں محتاط رہتا ہے تو پھر دنیا میں رسوا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس نے کافروں کی معیشت اپنا لی ہے۔ نبی ﷺ نے سُود سے منع فرمایا اور مسلمان نے سودی نظام اپنا لیا اس کا مطلب ہے اس کی معیشت سے برکاتِ نبوی منقطع ہو گئیں اور مسلمان معاشی طور پر محتاج ہو گئے۔ مسلمانوں کی زندگی میں جہاں جہاں سے جتنی جتنی حضور ﷺ کی سنتیں چھٹتی چلی گئیں وہاں اتنی ہی محرومیاں در آئیں اور یہ ایسی محرومی ہے جو اسباب و وسائل کے ہونے کے باوجود محروم بناتی ہے کسی آدمی کے پاس وسائل ہی نہ ہوں تو اسکی محرومی سمجھ آتی ہے اور جس کے گھر میں دولت ہو وہ بجلی کا بل دے سکتا ہو لیکن اس کے پاس بجلی نہ ہو' گیس نہ رہے' آٹا نہ ملے تو یہ وہ محرومی ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ چھوڑنے سے وارد ہوتی ہے۔ یہی بات قرآن حکیم میں ملتی ہے کہ جو اللہ کی یاد چھوڑتا ہے اللہ کے نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین سے منہ موڑتا ہے۔ **معیشتہ ضنکا** (طٰہٰ آیت ۱۲۴) اللہ اسکی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ یہ عذابِ الٰہی ہے کہ بندے کے پاس رقم ہو اور اسے ضروریاتِ زندگی نہ ملیں اور اگر ملیں تو گرانی ہو ان میں آمیزش ہو گھر سے پیسے لیکر سودا لینے جائے اور راستے میں بم دھماکوں کا شکار ہو جائے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ کلمہ تو پڑھتے ہیں دعویٰ ایمان بھی کرتے ہیں لیکن نبی ﷺ کی ادائیں بھلا رہے ہیں عملی زندگی خلاف سنت گزار رہے ہیں جب ہم

رواج میں' اٹھنے بیٹھنے میں مغربی تہذیب کے انداز اپناتے ہیں تو وہاں اپنے عمل میں ایک سنت ترک کرتے ہیں خلاف سنت عمل کرنے کے لئے ایک سنت خیر الانام کا خون کیا جاتا ہے اور دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمیں اس کا دکھ نہیں ہوتا ہمیں اس کا احسان نہیں ہوتا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

علامہ اقبال فرماتے ہیں بڑے دکھ کی بات ہے کہ قافلہ لٹ گیا ہماری دولت سنت خیر الانام تھی وہ دولت ہم سے چھن گئی ہم کلمہ پڑھ کر کچھ اور بن گئے یہ بھی قابل اصلاح عمل تھا لیکن جب کارواں کو یہ احساس بھی نہ رہا کہ وہ لُٹ چکا ہے تو اب وہ کس عمل کی اصلاح کرے گا احساس ہوتا تو کچھ بچا لیتا لیکن احساس زیاں ہی نہ ہوا اُسے دکھ ہی نہ رہے کہ اس سے حضور ﷺ کی عطا کردہ تہذیب کی ادائیں چھٹ رہی ہیں تو وہ کیسے گم گشتہ دولت کو واپس حاصل کرے گا؟

میں اللہ کو گواہ کر کے آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اللہ کا جو بندہ کسی بھی وقت یہ عہد کر لے کہ وہ زندگی کے اعمال و کردار' فکر و نظر' قول و عمل تک کو سنت اخیر الانام کے تابع لے آئے گا اس پر اسی لمحے اللہ مہربان ہو کر اسکی ایسی مدد کرے گا کہ اُسے سنت بھی نصیب ہو گی' دنیا کی کامیابی بھی اور آخرت کی کامیابی بھی نصیب ہو گی یہ بات بھی یاد رہے کہ جس طرح باقی تہذیبوں کو تہذیب مغرب نے نگل لیا ہے اسلام کو بھی نگل لے گی یہ ممکن نہیں اس لئے کہ اللہ نے حق کو باقی رکھنا ہے باطل کو مٹنا ہے جتنا چاہے یہ تہذیب ترقی کر جائے جتنا جوبن اس پر آ جائے مٹنا بہر حال اسی کا مقدر ہے۔

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تہذیب مغرب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا وہ ناپائیدار ہو گا

مغربی تہذیب کے علمبردار و تم اس تہذیب کو جتنا بھی پھیلا لو یہ خود اپنی موت کا سبب بن جائے گی۔ تہذیب مغرب نے لوگوں کو مادی ترقی تو دی لیکن اولاد کی آبرو چھین لی۔ کھانے میں جدت دی روٹی کے بجائے برگر دیئے لیکن بزرگوں کا ادب اور چھوٹوں سے شفقت چھین لی یہ سودا انسانیت کو کب تک وارے میں رہے گا یہ انسانی مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا یہ باقی رہنے والا نہیں۔ ختم اسی کو ہونا ہے یہ الگ بات ہے کہ اب ٹکراؤ کی صورت بن رہی ہے اور مغربی اقوام مسلمانوں پر حملہ آور ہیں اپنے عہد کی طاقتور حکومت خود کو سپر پاور کہلوانے والے امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیوں کیا؟ کیا طالبان کی حکومت اتنی مضبوط تھی کہ امریکہ کو یہ خطرہ تھا کہ وہ یہاں سے اٹھ کر امریکہ پر حملہ آور ہو گی کیا اس کے پاس یہ اہلیت تھی؟ نہیں۔ وجہ یہ تھی جو امریکی صدر نے خود بتائی کہ اگر یہ حکومت کامیاب ہو جاتی تو وہاں انصاف' عدل' مثالی امن قائم ہو کر دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک ماڈل ریاست بن جاتی اور بقول صدر امریکہ اگر یہ سلطنت کامیاب ہو جاتی تو انکی تہذیب کا روئے زمین سے خاتمہ ہو جاتا مغربی انداز معیشت کو چھوڑ کر لوگ اسلامی نظام معیشت اپنا لیتے۔ اسلامی طریقہ انصاف اپنا لیتے اور اسلامی تہذیب روئے زمین پر عملاً نافذ ہو جاتی۔ یہ امریکہ کی مجبوری تھی کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی علمبردار طالبان کی حکومت کو تباہ و برباد کیا جائے اور طالبان چند طالب علموں' مدرسے کے استادوں پر مشتمل جماعت تھی جنکے پاس نہ وسائل پورے تھے نہ ادارے موجود تھے اس لئے اُن کے کام کرنے کے طریقے میں کمیاں اور کمزوریاں اسباب کے نہ ہونے کے باعث تھیں لیکن وہ جتنا اسلام جانتے تھے اس کے نفاذ میں مخلص تھے اور پورے جذبے سے کوشاں تھے اُن کی اٹھان ہی ایسی تھی کہ وہ تہذیب

مغرب کے لئے خطرہ بن گئے تھے اور صدر امریکہ کو یہ الفاظ کہنے ہی پڑے کہ

They were going to finish our culture around the globe.

پاکستان پر فوج کشی اس لئے نہیں ہو رہی کہ ہمارا ایک طبقہ جو تعداد میں کم اور اختیارات میں زیادہ ہے وہ قدم قدم پر تہذیب مغرب کو سجدہ کر رہا ہے یہ طبقہ قولاً فعلاً تہذیب مغرب کا دلدادہ اُن کے رہن سہن آداب واخلاق کا گرویدہ ہے اُن کی غلامی میں اُن کی تہذیب کا دل سے مداح ہے اُن پر فریفتہ ہے اور اُن سے زیادہ انکی تہذیب پر عمل پیرا ہے۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر اُن سے رابطے رکھ کر اہل مغرب کو یہ خیال ہے کہ وہ سارے عالم اسلام کو نگل جائیں گے لیکن یہی ان کا خیال خام ہے ایسا ہونا ممکن نہیں جب ایسا نہیں ہوگا تو پھر بات زبردستی پر آئے گی اور یہ بات آج بھی کبھی کبھی غیر ملکی طاقتوں کی زبان پر آجاتی ہے کہ وہ اپنی افواج پاکستان بھیجیں گے تو اسی لمحے کا تو ہمیں انتظار ہے ہم اسی لئے تو جی رہے ہیں کہ کہیں کوئی باطل قوت ادائے پیغمبر ﷺ سے ٹکرائے اور ہمیں یہ سعادت نصیب ہو کہ ہماری رگ جان کا خون اس پر نچھاور ہو باطل کو شکست ہو اور سنت پیغمبر ﷺ پھر سے زندہ ہو۔ ایسا ہوگا۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے دین کو ہمیشہ باقی رکھنا ہے یہ دین اللہ کی حفاظت میں ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

یاد رکھیں جو فرد بھی حضور ﷺ کے طرز حیات' اخلاق کریمانہ اور معاملات دنیا میں حضور ﷺ کی سنتوں کو اپناتا جائے گا وہ اگر دنیا سے گزر بھی گیا اور تہذیبوں کا ٹکراؤ کبھی بعد میں ہوا تو اس وقت شہید ہونے والوں کی شہادت میں اس کا حصہ بھی موجود ہوگا اُسے بھی اُن شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

آپ ﷺ نے اپنی ایک سنت کو زندہ کرنے والے کے لئے دو سو شہدا کے برابر اجر پانے کی بشارت سنائی ہے اہل دل کے لئے پھر سے بہار آئی ہے پھر سے ربیع الاول کا مبارک مہینہ آیا ہے اور جو تاریخ ولادت باسعادت کی ہے بالاتفاق وہی تاریخ بعثت رحمت عالم ﷺ کی ہے۔

میری گزارش آپ سب سے یہی ہے کہ اس قوم کو اس امت کو عالم اسلام کو وہ ساعت سعید یاد دلائیں جو بعثت عالی کی ہے۔ جس کا تعلق کفار سے نہیں جو ساری کی ساری بندہ مومن کی نعمت ہے جس سے کافر نے خود اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
ملت احمد مرسل کو مقامی کر لو

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

ضرورت رشتہ

دو بچیوں کیلئے رشتہ درکار ہے

تعلیم میٹرک

تعلیم مڈل (زیر تعلیم)

قوم جٹ چوہان

سکونت فیصل آباد

زمیندار یا برسر روزگار' مذہبی گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ ساتھیوں کے لئے ذات برادری کی قید نہیں۔

رابطہ 0300-7664371

محبت مانگنے کا نہیں نچھاور کرنے کا نام ہے

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 03-08-2005

الحمدللّٰہ رب العلمین○

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّالہٖ

واصحابہٖ اجمعین○

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم○

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیم○

وما ارسلنٰک الا رحمتہ اللعلمین○

اللھم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا انک انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِّم دَائِماً ابداً

علٰی حَبیبکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

کائنات کا وجود اُس کی نعمتیں، اُس کی راحتیں، یہ عالم ہو برزخ، یا آخرت، ایک ذات باری کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ عالمین میں داخل ہے۔ یہ دنیا ہے یا وہ دنیا زمین ہے یا آسمان، سورج ہے یا چاند ستارے کوئی سیارہ ہے یا کوئی ستارہ انسان ہیں، جن یا فرشتے، اللہ کی ذات کے علاوہ جو کچھ بھی ہے جو کوئی بھی ہے سب کے لئے آپ ﷺ رحمت مجسم ہیں اور رحمت الٰہی کے ان گنت پہلو ہیں کوئی چاہے بھی تو شمار نہیں کرسکتا۔ ایک پہلو محبت ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات سراپا محبت ہے بلکہ وہ سرچشمہ ہے محبت کا جس سے جہان بھر میں محبتیں تقسیم ہوئیں۔

اذکنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناً○ لوگو! تم تو سب ایک دوسرے کے دشمن تھے نبی کریم ﷺ نے تمہارے دلوں کو محبتوں سے بھر دیا اور آن کی آن اگلے سورج نے تمہیں بھائی بھائی دیکھا، جو ذات دوسروں میں محبت تقسیم کرتی ہے اور دشمنی اور نفرتوں سے بھرے ہوئے سیاہ دلوں کو نور محبت سے اُجاگر کرتی ہے، روشن کردیتی ہے خود وہ ذات اقدس کتنی محبوب ہونی چاہیے اور اُس سے کتنی محبت ہونی چاہیے! ایمان، اسلام سب کچھ کیا ہے؟ احکام اوامر ونواہی، زندگی موت مابعد الموت، برزخ حشر نشر قیامت، جنت دوزخ، یہ سارا کیا ہے؟ اس کی کامیابی کی بنیاد صرف اور صرف محبت محمد رسول اللہ ﷺ ہے!

حضور اکرم ﷺ طائف میں تشریف لے گئے، آپ سب حضرات وہ واقعہ جانتے ہیں، پتھر برسائے گئے، وجود اطہر ﷺ زخمی ہوا، تھک ہار کر آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ اللہ کریم نے ملک الجبال کو جو پہاڑوں پہ مقرر ہے فرشتہ اُسے حکم دیا۔ غیرت الٰہی جوش میں آئی فرمایا کہ ان سے جو پتھر بن پڑے انہوں نے میرے حبیب ﷺ پر برسائے، طائف پہاڑی علاقہ ہے تم یہ پہاڑ اٹھا کر ان کی بستیوں پر پھینک دو لیکن میرے نبی ﷺ سے اجازت لے کر۔ اُس باغ میں اُس عجیب حالت میں زخمی حالت میں پاؤں مبارک نعلین شریف میں خون جم گیا تھا خون جم جانے سے پھنس گئے تھے۔ تو حضور ﷺ جلوہ افروز تھے ملک الجبال حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے حکم ہوا ہے کہ انہوں نے پتھر پھینکے ہیں میں ان کی آبادیوں پر یہ پہاڑ اٹھا کر پھینک دوں۔ لیکن آپ ﷺ کی اجازت سے مشروط ہے۔ آپ ﷺ تو سراپا محبت تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا دیئے اور اُن کیلئے معافی کی درخواست کی اور عذر پیش فرمایا کہ ان سے کیوں درگزر کی جائے کیوں انہیں معاف کیا جائے تو عذر پیش فرمایا کہ

انھم لا یعلمون . او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ یا اللہ یہ مجھے جانتے نہیں ہیں اس لئے پتھر پھینک رہے ہیں یہ تو اپنے ایک پڑوسی بھائی مکہ کے ایک قریشی کو پتھر مار رہے ہیں یہ محمد رسول اللہ ﷺ کو جانتے نہیں۔ یعنی محبت کی بنیاد معرفت ہے جاننا ہے اور نہ جاننے کا نتیجہ دشمنی ہے یا کم از کم

لاتعلقی تو ہوگی کوئی دشمنی نہ بھی کرے گا لاتعلق تو ہوگا اب یہ ذات اقدس ﷺ سے لاتعلقی اگر رائی برابر بھی ہو تو آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے۔ **لا یؤمن احدُ کُم** تم میں سے کوئی ایک فرد بھی ایماندار نہیں ہوسکتا مومن نہیں ہوسکتا کوئی فرد روئے زمین پر جتنے اسلام کے دعوے دار ہیں جتنے کلمہ گو ہیں جتنے عابد وزاہد ہیں جتنے روزہ دار اور نمازی ہیں اُن میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہوسکتا اُس وقت تک۔

حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین.

اوکما قال ﷺ جب تک میں محمد ﷺ اُسے اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں وہ ایماندار نہیں ہوسکتا۔

عمل مشروط ہے ایمان سے ایک شخص ایمان نہیں لاتا نماز یاد کر لیتا ہے وقت کے وقت نمازیں پڑھتا رہتا ہے نماز ہوگی؟ عمل مشروط ایمان سے ہے۔ سارا دن بھوکا پیاسا رہتا ہے اُس کا روزہ ہوگا؟ سارا دن طواف کرتا رہتا ہے اُس کا حج ہوگا؟ کچھ بھی نہیں ہوگا کوئی نیکی نیکی شمار نہیں ہوگی جب تک ایمان نہیں ہوگا عمل مشروط ایمان سے ہے۔ جس طرح نماز وضو سے مشروط ہے۔ وضو نہیں ہوگا تو نماز پڑھتے رہو۔ ادا نہیں ہوگی عمل ایمان سے مشروط ہے ایمان مشروط ہے محبت محمد رسول اللہ ﷺ سے اور رواداری کی محبت نہیں ایسی محبت کہ ماں باپ نہیں' ایسی محبت کہ ماں باپ ہو یا اولاد ہو یا کائنات کا کوئی فرد و بشر بادشاہ ہو یا فقیر کوئی دوست ہو یا محبوب سب سے محبوب ترین ہستی جو ہو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ اُحد کے بعد ایمان لائے اُحد میں اہل مکہ کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ والد گرامی کی خدمت میں بیٹھے تھے ایک دن تو عرض کیا کہ ابا جی یوم احد آپ میری زد پر آ گئے تھے لیکن محبت پدری غالب آئی اور میں آپؓ پر تلوار نہیں چلا سکا انہوں نے فرمایا کہ اگر تو میری زد پہ آ جاتا تو میں تیرے پرخچے اڑا دیتا۔ تو عرض کرنے لگے کہ آپؓ کو شفقت پدری نہ آتی مجھے اپنا بیٹا سمجھ کر درگزر نہ کرتے تو فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں بیٹا کیا ہوتا ہے ایک طرف رسول اللہ ﷺ ہوں تو پھر بیٹا کیسا اور بھائی کیسا اور پھر کوئی رشتہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے مقابل آئے۔ اگر تُو میری زد پہ آ جاتا تو میں تیرے پرخچے اڑا دیتا۔ تو خوش قسمت تھا کہ تجھے ایمان نصیب ہوگیا' بچ گیا اُسی دن مارا جاتا تو کہاں ایمان لاتا۔

تو یہ شرط ہے ایمان کی جو کچھ ہمیں ہمارا واعظ سناتا ہے جو کچھ ہمیں ہمارا مولوی بتاتا ہے وہ ہمیں کسی اور طرف لے جاتا ہے اکثر ہوتا ہے نا! میں اللہ کے بندوں اور علمائے حق کی بات نہیں کر رہا رسمی رواجی جو مولوی ہمارے گلے پڑ گئے ہیں میں اُن کی بات کر رہا ہوں اُس نے ہمارا نظریہ بدل دیا ہے اکثر نعتیں آپ سن لیجئے تو جو رشتہ ایک غیر مسلم کا کسی دیوی دیوتا سے یا بت سے ہے کوئی غیر مسلم جو ہے کسی بت کو مقدس سمجھ کر یا محبوب سمجھ کر نہیں اپنی ضرورت سمجھ کر اُس کی پوجا کرتا ہے۔ اس بت کی پوجا کرنے سے صحت ٹھیک ہو جائے گی اس کی پوجا کرنے سے مال مل جائے گا۔ یہ اُس نے اپنی ضرورتیں معبودان باطلہ کے ساتھ وابستہ کر رکھی ہیں اور اس لئے انہیں پوجتا ہے کہ یہ میری حاجت براری کریں۔ ہم کسی حاجت براری کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں کرتے۔ ہم اس لئے محبت کرتے ہیں کہ اُن کی محبت ہی ہمارا دین ہے لیکن ہمارے مولوی نے علماء حق تو جو ہیں یا اہل اللہ جو ہیں وہ تو محبت آقائے نامدار ﷺ ہی پیدا فرماتے ہیں لیکن جو برائے نام مولوی ہے اُس نے ہماری زندگی کو بھی وہ موڑ دے دیا ہے آپ کوئی نعت کوئی شعر کوئی بات سنیں تو کہے گا تیری بگڑی سنور جائے گی' تیرا فلاں کام ہو جائے گا' تیرا فلاں ہو جائے گا' اگر ہم نے اپنی ضرورتوں کے لئے حضور ﷺ سے رشتہ جوڑنا ہے تو ہمارے رشتے میں اور اُس غیر مسلم کے رشتے میں جو اُس نے بت سے جوڑا ہوا ہے فرق کیا ہوتا ہے اپنی حاجت براری کے لئے اور اپنی ضرورتوں کے لئے غیر مسلم نے کسی دیوی کسی دیوتا کسی فرد کسی بشر کسی فرشتے کسی موہوم خدا سے اُس نے رشتہ جوڑ رکھا ہے کہ یہ میری ضرورتیں پوری کرے گا۔ اب یہی رشتہ ہمارا مولوی ہمارا بناتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ سے قوالی ہو تو اُس میں یہی ہوتا ہے کہ میری بگڑی سنور جائے' میری جھولی بھر جائے' مجھے یہ دے دوٗ مجھے وہ دے دوٗ تیرے در پہ جو آیا وہ خالی نہیں گیا' مجھے خالی مت لوٹایئے یعنی وہ رشتہ جو غرضوں کا رشتہ ہے ضرورتوں کا رشتہ ہے' حاجتوں کا رشتہ ہے وہ رخ

ہماری محبت کو دے دیا گیا۔ دیکھو کتنا ظلم ہوا ہمارے ساتھ، کتنی زیادتی کی بات ہے۔ دیکھنا ہمیں یہ ہے اللہ دیتا ہے اور اپنی مرضی سے دیتا ہے اور بے حساب دیتا ہے۔ اللہ کا رسول ﷺ دیتا ہے۔ اور ہمارے اندازوں سے زیادہ دیتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا' انما انا قاسم ' و اللہ یوتی ' اوکما قال رسول اللہ ﷺ ۔خزانہ رب کا ہے میں لٹا رہا ہوں۔ اگر لفظی ترجمہ نہ کیا جائے تو اس حدیث مبارک کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ خزانہ رب کا ہے اور میں لٹا رہا ہوں۔ پھر وہاں اغراض کا رشتہ جوڑنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے ساتھ یہ دھوکا ہوا ہے محبت کو دیکھنا ہے تو اس طرح دیکھنا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات کے لئے میں نے کیا قربان کیا۔ میرا کیا ہے جو میں نے پیش کیا ہے کیا میں نے کوئی بُری عادت حضور ﷺ کی رضامندی کے لئے چھوڑ دی۔ کیا میں نے کوئی بُرا عمل جو حضور ﷺ کو پسند نہیں وہ عمل کیا میں نے چھوڑ دیا۔ وہ فکر جو حضور ﷺ کو پسند نہیں کیا وہ فکر میں نے دل سے نکال دی۔ اور وہ فکر رکھنا شروع کر دی جو حضور ﷺ کو پسند ہے۔ تقاضائے محبت تو یہ ہے نا کہ محبوب کی خاطر میں نے کیا کیا اور اگر ایک ہستی سے ہمارا رشتہ ہی یہ ہو کہ تم مجھے یہ دے دو تم مجھے وہ دے، دو مجھے کپڑے دے دو مجھے روٹی دے دو میرا بچہ بیمار ہے اُس کی دوائی دے دو تو یہ کونسی محبت ہے۔ اسے محبت کہنا تو اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے محبت تو یہ ہے کہ موت بھی آئے تو میں زندگی بھی ہار جاؤں گا لیکن آپ ﷺ کی محبت سے دست کش نہیں ہوں گا بیٹے قربان ہو جائیں کر دوں گا گھر لٹ جائے لٹا دوں گا چھوڑنا پڑے گا چھوڑ دوں گا۔

جب مہاجرین نے ہجرت فرمائی تو جائیدادیں بھرے ہوئے گھر سب کچھ رہ گیا مکہ مکرمہ میں اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو وہی مکان سلامت تھے وہی جائیدادیں موجود تھیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا بھی کہ بھئی کس کس کو اپنا گھر اپنی جائیداد چاہیے تو انہوں نے کہا جی ہماری تو کوئی نہیں ہم نے تو آپ ﷺ کے نام پہ لٹا دی ہماری تو ختم ہو گئی جس دن ہم نے آپ ﷺ کے نام پر اور اللہ کے حکم پر چھوڑ دی' ہماری ختم' نہ ہمارا گھر ہے نہ ہماری جائیداد ہم نے کس لئے لینا ہے ہم تو اُس سے دست بردار ہو گئے۔ فاتح تھے' چاہتے تو سارے شہر پہ قبضہ کر لیتے کہ یہ ہمارا ہے تم نے کبھی ہمیں نکالا تھا اب ہم تمہیں شہر بدر کرتے ہیں سارے مشرک نکل جاؤ۔ سارا شہر صرف اُن مسلمانوں کا ہے جنہوں نے ہجرت کی۔ کیا یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے اپنا بھی نہیں لیا انہوں نے کہا وہ ہمارا نہیں ہے حضور ﷺ ہم نے تو آپ ﷺ کے نام پر اللہ کے حکم پر چھوڑ دیا۔ جب نچھاور کر دیا لٹا دیا قربان کر دیا پھر اُس پہ ہمارا دعویٰ کیا ہے مکہ مکرمہ میں رہ کر مہاجرین نے اور خود محمد رسول اللہ ﷺ نے قصر نمازیں پڑھی کہ ہمارا تو یہ گھر ہی نہیں ہے ہم تو مسافر ہیں نمازیں قصر پڑھیں گئیں اور اُسی اعتبار سے حضور ﷺ نے منیٰ میں بھی قصر پڑھیں۔ جس سے ہمارے اہل حدیث حضرات اب یہ مسئلہ لیتے ہیں کہ سات میل کی مسافت پہ قصر ہو جاتی ہے اہل حدیث کے ہاں سات میل کی مسافت پہ قصر ہو جاتی ہے وہ کہتے ہیں بیت اللہ سے مکہ مکرمہ سے سات میل منیٰ ہے۔ حضور ﷺ نے منیٰ میں قصر پڑھی۔ حضور ﷺ نے تو خود مکہ مکرمہ میں بھی قصر پڑھی کہ یہ میرا گھر نہیں ہے اور مہاجرین صحابہ نے بھی قصر پڑھی کہ ہمارا نہ وطن ہے نہ گھر ہے ہم تو مسافر ہیں' ہم تو اللہ کے نام پہ چھوڑ چکے ہیں۔

تو محبت کا انداز یہ ہے کہ محبوب کی خدمت میں میں نے کیا پیش کیا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی بڑا کوئی بہت بڑا کام کرے گا ضروری یہ ہے کہ ہر دل میں یہ آرزو ہو کہ جو مجھ سے ہو سکتا ہے میں حضورؐ کے نام پہ نچھاور کر دوں۔

وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں نا حکایت کہ یوسف علیہ السلام جب بازار میں بکنے کے لئے لائے گئے تو کوئی بڑھیا سوت کی ایک اَٹی لے کر رواں تھی تو کسی نے پوچھا اماں کہاں جاتی ہو۔ سنا ہے یوسف علیہ السلام بکنے کو آئے ہیں اُس نے کہا وہاں تو امراء کا اور وزراء کا اور تاجروں کا جمگھٹا ہے لیکن شاید بادشاہ ہی خریدے گا تو تم کیا لے کر جا رہی ہو اُس نے کہا میرے پاس سوت کی اَٹی ہے۔ اُس نے کہا بڑی بی بادشاہ ملک اور حکومت دے کر خریدنا چاہتا ہے تو سوت کی اَٹی لے کر جا رہی ہے اُس نے کہا بات یہ نہیں ہے کہ اس اَٹی پہ مجھے یوسف مل جائے گا بات یہ ہے کہ میدان حشر میں میں بھی طلبگاروں میں تو ہوں گی یہ تو کہا جائے گا کہ یہ بھی خریدار تھی۔ اب جو میرے پاس ہے لے کے تو میں نے وہی جانا ہے میرے پاس خزانے تو نہیں ہیں۔ لیکن جب حشر کو اٹھوں گی اور پوچھا جائے گا کہ کون کون طالب

تھا یوسف علیہ السلام کا تو اللہ اتنا کریم ہے کہ وہ میرا نام بھی اُس فہرست میں رکھے گا۔ میرے لئے یہی اعزاز بہت ہے کہ میں طلبگاروں میں تو ہوں ضروری تو نہیں کہ ہر ایک ـ بڑی کوئی سلطنتیں قربان کر دیتی ہیں لیکن آقائے نامدار ﷺ کی رضا اور خوشنودی کی طلب و آرزو تو ہو اور یہ دیکھا تو جائے کہ میں کیا پیش کر سکتا ہوں میں کیا کچھ ادا کر سکتا ہوں۔

اب اس محبت کے لئے جاننا بھی شرط ہے دو راستے ہیں اس کے اور میری ذاتی رائے میں دونوں اپنانے چاہئیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے حضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے جتنا ممکن ہو سکے چھوٹی سی کتاب ملے یا بڑی کتاب ملے مستند کتابیں ہوں حضور علیہ السلام کی سیرت جوں جوں کوئی پڑھتا ہے اتنی اتنی محبت دل میں اُترتی ہے اور اس سے بھی آسان راستہ یہ ہے کہ ہر وقت زبان درود شریف سے تر رہے۔ جتنا جتنا درود شریف پڑھتے چلے جائیں گے اتنے اتنے اسرار مطالعہ کے بغیر بھی کھلتے جائیں گے۔ آپ ﷺ رحمت مجسم ہیں اور رحمت کا ہم نے ایک پہلو لیا محبت اُس پہ بات کرنا چاہی لیکن اس محبت کے بھی کھربوں پہلو ہیں ہیرا ایک پتھر ہے اُس کی قیمت تراش خراش سے بنتی ہے اور جتنے اُس کے پہلو نکلتے جائیں گے اتنی اُس کی قیمت بڑھتی چلی جائے گی اب ایک ہی ہیرا ہے اُس کے آپ نے چار پہلو مستطیل بنا دی۔ اُس کی قیمت اور ہے اُس کے آٹھ پہلو کاٹ دیے آپ نے۔ ہوا یہ کہ اُس میں سے کچھ حصے کٹ گئے اُس کا حجم کم ہو گیا، لیکن قیمت دوگنا بڑھ گئی۔ اب آٹھ کے اٹھارہ آپ نے بنا دیے تو مزید کچھ حصے ہیرے کے کٹ گئے لیکن پہلو اٹھارہ ہو گئے تو اُس کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی تو ایک یورپ کا کٹ ہے ہیروں کا اور ایک مغلوں کا کٹ مشہور ہے جو برصغیر میں ہے اور مغل کٹ کا جو ہیرا ہوتا ہے اپنے حجم کے اُس یورپی کٹ کے ہیرے سے دوگنا قیمت کا ہوتا ہے حجم ایک ہوتا ہے قیمت دوگنا ہوتی ہے۔ کیوں؟ اس میں پہلو زیادہ ہوتے ہیں دوگنا پہلو ہوتے ہیں یورپ کی نسبت اب ایک ایسی ہستی جس کی محبت ایمان ہے اور آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر قیامت تک آنے والے لوگ اُس سے محبت کریں گے سارے خوش نصیب جو ہوں گے اور جو بدنصیب ہو گا وہ ہی محروم رہے گا تو کتنی مخلوق محبت کرے گی۔ ہر بندے کا مزاج بھی الگ ہے فکر الگ ہے قلب الگ ہے علم الگ ہے استعداد الگ ہے اس لئے اس ہیرے میں بھی اتنے پہلو ہوں گے جتنے لوگ اُس سے محبت کریں گے تو کوئی گن سکتا ہے کہ محبت کے کتنے پہلو ہیں، آقائے نامدار ﷺ کے۔ ہم جتنے لوگ یہاں بیٹھے ہیں ہماری محبت ایک طرح کی تو نہیں ہے ہر بندے کے اپنے جذبات ہیں ہر بندہ اپنے انداز سے محبت کرتا ہے روز اول سے قیام قیامت تک لوگوں کا جم غفیر دیکھو اور درمیان میں ایک ہیرا چمک رہا ہے اب جتنے طالب ہیں ہر ایک ایک الگ پہلو کا طالب ہے اس کا مطلب ہے اتنے پہلو محبت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہیں اس سے بھی زیادہ ہیں اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں اس لئے کہ لوگ ابدالاباد محبت کرتے چلے جائیں گے محبت بڑھتی چلی جائے گی جنت کے مکین جو ہیں اُن کی بھی بڑی دولت عشق رسول ﷺ ہی ہوگی اور روز افزوں ہوگا۔ نئے نئے پہلو اُن کے سامنے آتے چلے جائیں گے لہٰذا یہ اللہ ہی جانے اور اللہ کا رسول ﷺ جانے یہ ماؤشما کے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

عظمت رسالت ﷺ کو صرف اللہ جانتا ہے، ہم مانتے ہیں لیکن ہم احاطہ نہیں کر سکتے۔ اپنی حیثیت کے مطابق جانتے ہیں ہر ایک ایک پہلو کا شیدائی ہے تو میرے بھائی محبت کرو! محبت مانگنے کا نام نہیں، نچھاور کرنے کا نام ہے یہ حساب لگاتے رہو کہ ہم نے کیا پیش کیا کتنا پیش کیا، اب اس کے واقعات ہم گننے لگیں تو بڑے طویل ہیں بے حساب ہیں عشاق نبوی ﷺ کی زندگیاں اسی میں بسر ہوئیں۔ عجیب عجیب انداز سے لوگوں نے محبت کی تو کوئی ایک رائی بھی چھوٹے سے چھوٹا درجہ بھی اس محبت کا نصیب ہو جائے تو ایمان کی دلیل بن جاتا ہے عمل کی بنیاد بن جاتا ہے نجات کا سبب بن جاتا ہے رضائے الٰہی کا سبب بن جاتا ہے اللہ کریم توفیق دے اور اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

روشنِ خیالی کی مصیبت

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال 02-03-2008

الحمدللّٰہ رب العٰلمینo

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّاٰلہٖ

واصحابہٖ اجمعینo

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیمo

قُل ان کنتُم تحبون اللّٰہ فاتبعونی ......

آل عمران آیت ۳۱

اللھم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولاىَ صَلِ وَسَلِم دَائماً ابداً

علىٰ حَبِيبک مَنْ زانت بِہِ العُصُروا

اللہ خالق و مالک ہے وہ جو شئے بناتا ہے بن جاتی ہے جسے مٹاتا ہے مٹ جاتی ہے مخلوق کو اللہ نے صلاحیتوں سے نوازا ہے لیکن وہ محدود ہیں۔ مخلوق کی بصارت کی ایک حد ہے اور بصیرت کی بھی، علم وفکر کی بھی حد ہے اور شعور وادراک کی بھی اسی طرح تمام محسوسات انسانی محدود ہیں اللہ کی ذات وصفات حدود سے بالاتر ہیں اور لامحدود کو حدود میں سمونا ممکن نہیں لہذا انسان اپنی عقل سے اس ذات کو نہیں پا سکتا۔ عقل انسانی انتہائے کمال پر پہنچ کر اس حقیقت سے آشنا ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے۔ خالق کی تخلیقات سے اسے اتنا پتہ ملتا ہے کہ کوئی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے جو اس نظام کو رواں رکھے ہوئے ہے جس نے کائنات کی قوتوں کو باہم مربوط کر رکھا ہے اور ہر چیز اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو رہی ہے کوئی ہے جو بارشیں روک لیتا ہے اور زمین پر گرد اڑنا شروع ہو جاتی ہے اور وہی ہے جو ان بارشوں کو برساتا اور زمین کو سبزہ زار بنا دیتا ہے کوئی ہے جو مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور انہیں موت سے ہمکنار کر دیتا ہے لیکن وہ کون ہے اور کیسا ہے؟ اس کا جواب عقل نہیں دے سکتی۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

شاعر نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر دانا، عقلا اور فلاسفہ اس گتھی کو سلجھا لیتے تو انبیاء کی بعثت کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ نبیؑ اسی لئے مبعوث فرمائے جاتے ہیں اور نبوت ایک ایسا کمال ہے جو بندے کو اللہ کے روبرو کر دیتا ہے وہ اللہ کی ذات کو جانتا ہے، سمجھتا ہے اور سمجھا سکتا ہے، پھر مخلوق خدا انبیاء سے استفادہ کرتی ہے جو انہی کی جنس میں سے ہیں یعنی خود مخلوق ہیں، بنی آدم میں سے ہیں لیکن گروہ انبیاء انسانیت کا تاج ہیں۔

قرآن حکیم میں مذکورہ ہے کہ کفار نے کہا کہ انبیاء تو ہماری طرح بشر ہیں، کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہ نبیؑ ہیں اور ہم نہیں ہیں۔ نبیؑ تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے تھا، کسی بالاتر مخلوق کو ہونا چاہیے تھا۔ تو اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو یقیناً نبیؑ بھی فرشتہ ہوتا اور اگر زمین پر انسان آباد ہیں تو انہی کی جنس

میں سے نبیؑ مبعوث کیئے گئے ہیں۔ اور انسانوں کے لئے اگر فرشتہ مبعوث ہوتو فرشتہ اپنی حقیقی شکل میں آئے گا اس کی حقیقی شکل نہ تو کسی کو نظر آئے گی اور نہ ہی اسکی آواز سنائی دے گی اور اگر فرشتہ انسان بن کر آئے گا تو پھر معاملہ وہیں آن اٹکا کہ اسکی صفات فرشتے کی ہوں گی اور دیکھنے میں انسان نظر آئے گا اور اللہ کو تو چونکہ انسانوں کی اصلاح مقصود ہے اس لئے انسانوں ہی کو نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے یہ الگ بات ہے کہ نبی بھی بشر ہوتے ہیں اُن میں بشری خصوصیات ہوتی ہیں لیکن ان کی بشریت عام انسانوں جیسی بشریت نہیں ہوتی۔ جو لوگ نبیؑ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں وہ انبیاءؑ کی بشریت کو خود پر قیاس کر لیتے ہیں کہ وہ بھی بشر ہیں اور نبی بھی بشر ہیں اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ انسانوں کی بشریت کے بارے قرآن حکیم میں آتا ہے **اولٓئک کالانعام** (الاعراف ۱۷۹) کہ بداعمالیوں کے سبب انسانوں کی اکثریت حد بشریت سے گر کر انسانی خصوصیات کھو کر حیوانی صفات کی حامل ہو جاتی ہے اور انبیاء بشریت کے اس کامل درجے پر ہوتے ہیں کہ وہ معصوم عن الخطا کہلاتے ہیں عصمت صرف انبیاء کی صفت ہے جو انہیں عام انسانوں سے ممیّز کرتی ہے۔

نبوت ایسی کیفیت ہے ایک ایسا حال ہے جو صرف انبیاء کو عطا ہوتا ہے اور انہیں وہ قوت دیتا ہے کہ وہ کلام الٰہی کو سنتے ہیں، تجلیات باری کو دیکھتے ہیں اور وہ حقائق جن پر مخلوق کو ایمان بالغیب کی ضرورت ہے اُن حقائق سے وہ آشنا ہوتے ہیں اور دوسروں کو آشنا کرتے ہیں جو علوم انبیاءؑ تقسیم فرماتے ہیں اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک ارشادات ظاہری احکام دین، انبیاء کے اقوال وافعال یہ علوم ظاہری کہلاتے ہیں یہ سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں اور دوسری چیز ہے کیفیات۔ انبیاء سے جب قلبی تعلق بنتا ہے تو قلب اطہر پیغمبر سے فیض پانے والے کے قلب پر وہ کیفیت آتی ہے جو دیکھی نہیں جاسکتی، بیان نہیں کی جاسکتی جس کے لئے کوئی الفاظ نہیں ملتے جو صرف محسوس کی جا سکتی ہے اسے کہتے ہیں برکات نبوت یعنی فیضان نبوت کے دو حصے ہیں حروف الفاظ پر مشتمل علوم ظاہری اور ایمانی کیفیات جو قلب میں پیدا ہوتی ہیں یہی دونوں چیزیں قرآن کریم میں موجود ہیں اور ہر کتاب میں ہوتی ہیں کسی انسان کی تصنیف پڑھیں اور مسلسل پڑھتے رہیں تو اس شخص کا مزاج منتقل ہونا شروع ہو جاتا ہے جس موضوع کو پڑھیں اور مسلسل پڑھتے چلے جائیں تو ایک کیفیت دل پر وارد ہو گی اور موضوع سے دلچسپی پیدا ہوتی چلی جائے گی اگر انسانی تحریر میں انسان کا مزاج منتقل ہوتا ہے تو کلام الٰہی میں تجلیات باری کتنی قوی ہوتی ہے اور اگر ہم قرآن حکیم پڑھتے ہیں۔ مسلسل پڑھتے ہیں اور کوئی اثر نہیں، ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم قرآن حکیم کو اس درجے کے ایمان سے نہیں پڑھ رہے جو درجہ حصول کیفیات کے لئے ضروری ہے اور کیفیات قلبی نبی کریم ﷺ سے تعلق استوار کیئے بغیر ملتی نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ سے تعلق قائم نہ ہو تو بارگاہ الٰہی کا دروازہ نہیں کھلتا بندہ وہاں تک پہنچ نہیں پاتا۔ اُس یقین اس ایمان کو پانے کے لئے بارگاہ نبوت سے برکات حاصل کرنے کے لئے قرآن نے یہ راستہ بتایا ہے **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ** (ال عمران آیت ۳۱) آپ ﷺ ان لوگوں سے فرما دیجیے کہ اگر تمہیں اپنے مالک حقیقی سے اپنے محسن اعظم سے، جس نے تمہیں بے پناہ نعمتیں دی ہیں اور مسلسل دے رہا ہے ان ان گنت نعمتوں کے نتیجے میں احساس تشکر پیدا ہوا ہے اور تمہیں اس ذات سے پیار ہو چلا ہے تم اس کے متمنی ہو تو اس کا ایک طریقہ اور ایک سلیقہ ہے وہ یہ کہ میرا یعنی اپنے نبی ﷺ کا اتباع کر لو جو وہ کرنے کا حکم دے وہ کرو جس سے رکنے کا حکم دے اس سے رک جاؤ۔ اس اتباع سے کیا ہو گا؟ تم اللہ کو پیارے لگو گے یعنی جو بندہ نبی کریم ﷺ کا اتباع خلوص کیساتھ کرے گا اللہ اس سے محبت

کرے گا اور جب اللہ تم سے محبت کرے گا تو محبت الٰہی تمہارے قلوب سے مترشح ہوگی اور تم اللہ کی محبت کے جواب میں محبت کرنے کے قابل ہو جاؤ گے اسی بات کو قرآن حکیم نے دوسری جگہ یوں فرمایا ہے یحبھم ویحبونہ' اللہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے جس کے جواب میں وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں بندہ از خود تو اللہ سے محبت کر نہیں سکتا اپنی ذات سے اپنے علم وفکر سے اگر اس منزل کو پا سکتا تو پھر انبیاء کا محتاج نہ ہوتا فلاسفروں نکتہ وروں اور محققین کا محتاج ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوسکتا اس حال کو بندوں کو منتقل کرنے کے لئے صرف قلوب نبوت کو چنا گیا نبی ازل ہی سے منتخب کئے گئے۔ نبوت وہ صفت ہے جو نبیؑ کی ذات کا وصف ہے یہ صفت عطا کرنے کے بعد واپس نہیں لی جاتی۔ اور انبیاء کی حیثیت کائنات میں سورج جیسی ہے تمام انبیاء اپنے اپنے زمانے میں سورج کی طرح چمکے اور اپنا کام کر کے چلے گئے شاعر نے عربی میں یہی عرض کیا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے سورج طلوع ہوئے اور اپنی اپنی روشنیاں بکھیر کر اللہ کے حکم کے مطابق غروب ہو گئے۔ یعنی پہلی شریعتیں آئیں پھر اُن کا وقت ختم ہو گیا لیکن ہمارا سورج طلوع تو ہوا ہے غروب کبھی نہیں ہوگا۔ ہمیشہ روشنیاں بکھیرتا رہے گا۔ چونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبوت نہیں ہے کوئی نبیؑ نہیں ہے قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں ہے اور اس اُمت مرحومہ کے بعد کوئی اُمت نہیں ہے۔ اب جس کسی نے جو کچھ لینا ہے حضور ﷺ کی بارگاہ نبوت سے تعلق استوار کر کے لینا ہے بارگاہ الوہیت میں جتنے دروازے کھلنے تھے وہ اپنی اپنی باری پر کھلتے اور حکم الٰہی کے تحت بند ہوتے رہے اب صرف ایک دروازہ ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ اور محمد رسول اللہ ﷺ ہی وہ ذریعہ ہیں جن سے اللہ کے بندے اللہ سے آشنا ہوتے ہیں یعنی نبی اللہ اور بندے کے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہوتا بلکہ برکات الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اللہ پاک فرماتے ہیں وما ینطق عن الھوی O

ان ھوا الا وحی یوحیٰO النجم ۴۔۳

میرا نبی ﷺ اپنی پسند یا خواہش کے لئے کچھ نہیں کہتے صرف وہی کچھ کہتے ہیں جو میں اُن کو وحی کرتا ہوں عام انسانوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر بندہ انکی بات مانے اور وہ خود کو بڑا منوائیں فرمایا میرے نبی کو ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ اُن کو وہ عظمتیں نصیب ہیں جو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی محتاج نہیں سو نبی ﷺ اللہ کریم سے آشنائی حاصل کرنے کا وہ ذریعہ ہیں کہ اگر یہ ذریعہ درمیان سے نکال دیا جائے تو بندہ اپنی ذاتی استعداد، علم وفکر سے کبھی اس مقام تک پہنچ ہی نہیں پاتا لہذا نبوت کی ضرورت اتنی اہم ہے کہ شاید زندگی سے بھی زیادہ۔ انبیاء کرام بندے کو رب العالمین سے اس طرح آشنا کرواتے ہیں کہ ان کے فیوضات وتعلیمات میں صرف الفاظ ہی نہیں ہوتے وہ کیفیات بھی ہوتی ہیں جو بندے کے دل کو اللہ کے قریب تر کر دیتی ہیں وہ اللہ کو نہیں دیکھ سکتا لیکن دیکھتا ہے یعنی جیسے کسی بھی چیز کو دیکھ کر مانا جاتا ہے ویسے وہ اللہ کو دیکھے بغیر یوں مانتا ہے گویا اسے دیکھ رہا ہے مومن اللہ کو اسکی عظمت کو اسکی ذات وصفات کو صرف اپنے نبی ﷺ کے بتانے پر یقین کرنے سے مانتا ہے اس نے آخرت کو نہیں دیکھا لیکن نبی ﷺ نے جو کیفیات اس کے دل میں سمو دیں اُن کیفیات نے وہ یقین عطا کیا کہ مومن رہتا دنیا میں ہے لیکن جیتا آخرت کے لئے ہے۔ وہ دنیا کے کام کرتے ہوئے آخرت کے نتائج کو پیش نظر رکھتا ہے اسکی زندگی میں توازن یوں قائم رہتا ہے کہ دنیاوی نفع ونقصان کو بھی دیکھتا ہے لیکن اُخروی نفع کو مقدم رکھتا ہے یہ کیفیات چونکہ قلب اطہر رسول ﷺ سے حاصل کرنا ہوتی ہیں اس لئے انہیں وہ بندہ حاصل کر سکتا ہے جو کم از کم اگر قلب اطہر رسول ﷺ میں اپنے لئے محبت کی جگہ نہ بنا سکے تو حضور ﷺ کے قلب اطہر میں اس کے خلاف کوئی خفگی بھی نہ ہو کسی ناراضگی

کا کوئی عنصر نہ ہو اسی لئے اللہ پاک نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا لا ترفعوا اصواتکم صوت النبی ولا تجھروله بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون .سورہ الحجرات آیت ۲

قرآن حکیم کے اولین مخاطب صحابہ کرام تھے مہاجرین تھے، جانثاران رسول ﷺ تھے، خلفائے راشدین تھے اول اول ایمان لانیوالے تھے دنیا کے سارے مصائب برداشت کرکے ہر تکلیف میں اللہ اور اللہ کی محبت کو ترجیح دینے والے تھے۔ لیکن فرمایا بارگاہ رسالت میں اپنی آواز بلند نہ ہونے دینا عام گفتگو کا لہجہ اور انداز نہ اپنانا بلکہ حد ادب ملحوظ رہے کسی بھی وجہ سے آواز بلند ہوگئی تو ساری نیکیاں ضائع کردی جائیں گی کوئی نیکی نیکی نہیں رہے گی، یہ خطاب تو ساری اُمت کو ہے قیامت تک کے لئے لیکن اس کے اولین مخاطب میں اور آپ نہیں تھے ہماری تو حیثیت ہی کیا ہے؟ اس میں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ فاروق اعظمؓ جیسے لوگ تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کی آواز فطرتاً بلند تھی اور وہ اتنے محتاط تھے کہ بارگاہ نبوت میں مسجد نبوی میں سرگوشیاں کیا کرتے تھے۔ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی اس لئے کہ جب تک ایک خاص درجے کا ادب ملحوظ خاطر نہیں ہوگا تب تک کیفیات قلبی نصیب نہیں ہوں گی۔ اگر قلب اطہر میں تکدر آجائے، گرانی آجائے تو وہ گرانی میں ان کیفیات کو منقطع کردے گی جو قلب سے قلب کو آرہی ہیں جب وہ کیفیات منقطع ہوں گی تو ساری نیکیاں ضائع ہوجائیں گی کچھ نہیں بچے گا ایمان تک نہیں بچے گا نیکیاں کہاں نیکیاں رہیں گی کہ نیکیوں کی بنیاد تو ایمان ہے، بنیاد ہی اگر کھود ڈالی تو عمارت کہاں رہے گی۔

عہد نبوی ﷺ سے قیامت تک پوری انسانیت کے ہر سوال کا جواب حضور ﷺ نے دیا خواہ ان سوالوں کا تعلق آئین وقانون سے ہو، اقدار واخلاق سے ہو حکومت وسیاست سے ہو یا امور دنیا کے ضابطوں سے ہو اور نبی کریم ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر سوال کا حتمی اور قطعی جواب دیا جس میں قیام قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن میں زندگی اور مابعد الموت کے تمام اصول موجود ہیں جن میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اور آپ ﷺ کی سنت اور ارشادات عالیہ اسی قرآن کی شرح ہیں ان نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں ان الفاظ سے بھی آگاہی چاہیے جو زبان حق ترجمان سے ادا ہوئے جو اللہ کی کتاب کے ذریعے ہم تک پہنچے جس نے ہمیں ایمان جیسی دولت عطا کی ان مبارک ارشادات نبوی ﷺ کا جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ آب حیات ہے اور ان الفاظ کے ساتھ جو کیفیات قلوب کو تقسیم ہوئیں وہ بھی اتنی ہی ضروری ہیں جب نبی ﷺ دنیا پر تشریف فرما تھے تو تمام کمالات آپ ﷺ کی ذات میں جمع تھے پھر آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمالیا تو اوصاف تقسیم ہو گئے کوئی مفسر کہلایا کوئی محدث کوئی فقیہ اور کوئی صاحب حال۔ دین کے تمام شعبے امت کے سرکردہ افراد نے سنبھالے اور علوم ظاہری وباطنی کا تسلسل چلتا چلا آرہا ہے جس طرح کتاب وسنت کے احکام ومسائل تعلیمات نبوی ﷺ کا تسلسل چلا آرہا ہے اسی طرح اللہ نے ان کیفیات باطنی کے تسلسل کو بھی قائم رکھنا ہے لہٰذا قلوب کی اصلاح اور پاکیزگی کا شعبہ ان کیفیات کے حامل ذوات قدسی نے سنبھالا یوں سلاسل وجود میں آئے اور مشائخ بنے۔ علوم ظاہری اور کیفیات باطنی ملکر فیوضات نبوت اور فیوضات کتاب اللہ بنتی ہیں۔ اگر کوئی کتاب اللہ کی عبارت پڑھتا رہے لیکن اس کا دل کیفیات ایمانی سے خارج ہو اور اس کا دل قرآن حکیم سے یہ اثر نہ لے کہ دین پر عمل کی توفیق ہے تو اس طرح کے پڑھنے والے کو سارا قرآن پڑھ کر بھی اعتراضات ہی سوجھتے ہیں۔ مستشرقین قرآن پر تحقیق کرتے ہیں۔ عربی زبان سیکھتے ہیں اور اس ساری محنت کا حاصل ایسے بودے اعتراضات ہوتے ہیں

جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص مغرب میں پیدا ہوا اس نے مشکل سے اور محنت کر کے عربی گرامر سیکھی اور اُسے عربی پر عبور حاصل ہو گیا پھر اس نے قرآن پڑھا' احادیث مبارکہ پڑھیں اور اس سب کا حاصل یہ ہوا کہ اسے ذات باری' کلام الٰہی اور عظمت نبوت پر اعتراض سوجھے ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ دل ایمان سے خالی تھا صرف الفاظ سے کھیلتا رہا جب قلب قلبی کیفیات سے عاری رہا تو قلب میں کوئی کیفیت نہ آئی صرف اعتراضات ہوئے تو تلاوت کے ساتھ عبادت کے ساتھ الفاظ وحروف کی تعلیم کیساتھ نور ایمان ہو تو ایک لذت عطا ہوتی ہے جو عمل پر اکساتی ہے اسے کیفیت کہتے ہیں کیفیات ہی عمل پر مجبور کرتی ہیں اس کے خلاف کرنے کو جی نہیں چاہتا اور اگر سرزد ہو جائے تو آدمی دکھ محسوس کرتا ہے تو یہ کرتا ہے رجوع الی اللہ کرتا ہے یہ ایمان ہے۔

علوم نبوت کا جاننا بے حد ضروری ہے ہر بندے کے لئے اسکی روزمرہ ضروریات کے مطابق علم حاصل کرنا ضروری ہے ہر بندہ عالم نہیں ہو سکتا لیکن کسی عالم سے پوچھنا اس کے لئے لازمی ہے یہی حل بتایا قرآن حکیم نے جب فرمایا فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔النحل آیت ۴۳۔کہ نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے وابستہ رہو۔ایسے لوگوں سے وابستہ رہو جو تمہیں اتباع رسالت کا راستہ بتاتے رہیں حضور ﷺ کی پسند بتاتے رہیں اور وہ بتانے والا صاحب حال بھی ہو اس کے پاس کیفیات قلبی بھی ہوں تو نور علیٰ نور ہے۔

کیفیات قلبی حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ جس دل سے جس قلب سے کیفیات حاصل کرنا ہیں اس دل میں اپنے لئے جگہ پیدا کی جائے دل میں تو تب ہی ہوں گے جب ادب ہو گا ادب ہو گا تو اتباع لازماً ہو گا اگر کوئی نبی کریم ﷺ کی پسند کے خلاف چلے تو نبی کریم ﷺ کیا اسے پسند فرمائیں گے؟

حضور ﷺ کی برکات مشائخ سینہ بہ سینہ حاصل کرتے ہیں۔ شیخ کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی وہ بارگاہ رسالت کا خادم ہوتا ہے وہیں سے جو کچھ ملتا ہے اسے دوسروں تک پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔ جو ادب ان کیفیات کے حصول کے لئے ضروری ہے وہی ادب اس بارگاہ کے خادم کا بھی ضروری ہو جاتا ہے اور اگر انسان کی عملی زندگی ایسی ہو جو اس بارگاہ میں پسند نہ کی جائے تو کیفیات وبرکات کیسے آئیں گی اور عملاً کوئی اپنے شیخ اپنے اُستاد کا بھی احترام نہیں کر سکتے تو کس کا کریں گے؟ کب کریں گے؟ اور کیا پائیں گے؟

ٹی وی کے ایک پروگرام میں راگ اور کلاسیکی گانے کے استاد کی بابت کسی نے سوال کیا کہ سیکھنے کے کیا ضابطے ہیں تو اس فنکار نے جواب دیا کہ یہ چیز تو استاد کے دل کی گہرائی سے حاصل کرنا ہوتی ہے جو اس کے دل تک رسائی حاصل کرے گا وہی پائے گا اور جو دل میں اُتر نہ سکا وہ حاصل نہ کر سکے گا۔ مجھے یہ سن کر حیرانی ہوئی کہ کیسی نازک بات کہہ گیا ہے بات گانے بجانے کی کر رہا ہے اور مسئلہ سلوک کا بیان کر رہا ہے۔

ہمارے دور میں روشن خیالی کے نام سے ایک نئی مصیبت آ گئی ہے۔ مصیبتیں تو وہی ہوتی ہیں شکلیں بدل بدل کر آتی رہتی ہیں کیونکہ شیطان بھی وہی ہے اور اس کے ہتھکنڈے بھی وہی ہیں زہر تو زہر ہی ہوتا ہے اس کے لیبل بدلتے رہتے ہیں جس طرح ہماری سیاست ہے کچھ لوگوں کو ہم لٹیرے کہتے ہیں اور جب وہ چلے جاتے ہیں اور پانچ سات سال بعد آ جاتے ہیں تو پھر ہم انہیں سمجھتے ہیں کہ یہ نیک ہو گئے ہیں۔اب ہماری نجات ہو جائے گی حالانکہ یہ ایک ٹولہ ہے جو اپنی مخصوص فطرت پر قائم رہتا ہے جب واپس آتا ہے تو وہی ہوتا ہے لیکن ہمیں سال دو سال بعد ہی احساس ہوتا ہے کہ یہ تو رگ جان سے خون پی رہا ہے اس سے جان چھڑائی جائے۔ پھر جسے پہلے لٹیرا جان کر بھگایا ہوتا ہے وہی

آ جاتا ہے یہی حال ہماری دینی زندگی کا ہے جرم ایک ہی ہے کہ حضور ﷺ کا اتباع نہ کیا جائے اس سے نئے نئے گناہ جنم لیتے ہیں گناہوں کی نئی نئی صورتیں سامنے آتی ہیں اور شیطان نئی نئی ترکیبیں استعمال کرتا ہے اس کا دور کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ قیادت وسیادت خواتین کو دی جائے۔ اصلاح احوال اور تزکیہ کیلئے پہلے شیخ ہوتے تھے اب امریکہ سے یہ اصطلاح آئی ہے کہ عورتوں کو شیخ بنایا جائے اور اسے شیخہ کہا جائے جبکہ آپ ﷺ کا واضح حکم موجود ہے کہ جس قوم کی حکمران عورت بن گئی وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ عورت کا مقام عظیم نہیں۔ ہر صنف انسانیت کی اپنی عظمت ہے انبیاء بھی خواتین کی گود میں کھیل کر بڑے ہوئے خواتین ہی کے ہاں نبی پیدا ہوئے۔ خواتین ہی انبیاء کی ازواج مطہرات ہوتی ہیں انہی کی بیٹیاں اور بہنیں بھی ہوتی ہیں لیکن ان تمام عظمتوں کے باوجود نبوت کسی خاتون کو نہیں دی گئی یہ اعزاز اور مرتبہ صرف مردوں کا ہے۔ تو جب کوئی عورت نبیہ نہیں ہوئی تو شیخہ کیسے ہوگی؟ اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ فتنہ انگیز یہ تو مانتے ہیں کہ عورت اذان نہیں کہہ سکتی لیکن امامت کرواتے ہیں حالانکہ عورت کی امامت میں تو نماز جائز ہی نہیں نہ اسکی اپنی ہوتی ہے نہ اس کے ساتھ والوں کی نہ پیچھے والوں کی پھر کہا جاتا ہے کہ امامت تو نہیں کروا رہی بس صف کے درمیان کھڑی ہو کر پڑھ رہی ہے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے پیچھے کھڑی ہو کر پڑھے یا درمیان میں بات تو ایک ہی ہے کہ وہ امامت کروا رہی ہے لوگ اس کے ساتھ رکوع وسجود کر رہے ہیں یہی تو امامت ہے اور روشن خیالی کے نام پر یہ اس عہد کی مصیبت ہے۔ اسلام روشن خیالی نہیں حقیقی روشنی ہے روشن خیالی تو تصورات میں ہے کہ کسے روشن سمجھا جائے اور کس کو روشن خیال کہا جائے دین اسلام روشنی ہی روشنی ہے آج روشن خیالی کے نام سے حقوق نسواں، جمہوریت اور غربا کے حقوق کے نعرے لگ رہے ہیں لیکن یہ ساری وہ باتیں ہیں جو چودہ صدیاں پیشتر آقائے نامدار ﷺ نے اللہ کی کتاب نے اور دین برحق نے نہ صرف بتائیں بلکہ دنیا پر نافذ کر کے دکھائیں آج بھی لوگوں کے مزاج میں اتباع نبوی ﷺ کی تڑپ پیدا کرنے کے لئے برکات نبوی ﷺ ہی کی ضرورت ہے یہ کام آج بھی انہی کے ذریعے ہوگا اور برکات نبوی ﷺ کے حاملین جنہیں مشائخ کہتے ہیں ان سے حصول فیض کرنے سے ہوگا لہذا شیخ کے مقام کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے شیخ کے درمیان میں تیسرا نہیں ہوتا ذریعہ ہوتا ہے حصول برکات کا جو سینہ بہ سینہ چلتی ہیں اور ادب اس بارگاہ کا ہوتا ہے جو اس بارگاہ کے خادم کا بھی ضروری ہو جاتا ہے لیکن آج کا دور ادب واحترام سے دوری کا دور ہے اور آج کے دور میں رہنمائی کرنا آسان نہیں۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے دین کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھنا ہے تو اسکی قدرت کاملہ سے یہ نظام ہدایت چل رہا ہے ورنہ آج لوگوں کی اکثریت کو نہ اسلام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نہ اسکی پرواہ ہے ایک زمانہ تھا جب اللہ کے بندے کڑے مجاہدے کر کے دین کی حفاظت کرتے تھے انہی میں سے امام احمدؒ ہیں ساری عمر حکمرانوں سے ٹکریں لیں لیکن آخری عمر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ کسی نے عرض کی حضرت آپ جیسے لوگ گوشہ نشین ہو جائیں گے تو مخلوق کو نیک راستہ کون دکھائے گا انہوں نے فرمایا انسانوں کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے بھیڑیوں کو نہیں لوگ درندے بن گئے ہیں درندوں کو رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ یہ تب کی بات ہے آج کے ماحول کا اندازہ کریں جو شخص کسی چیز کے قابل نہیں وہ اسلام کے خلاف بات کر جاتا ہے اور جو کسی اور کی مخالفت کے قابل نہیں وہ بھی اسلام کی مخالفت میں کچھ نہ کچھ کر لیتا ہے اور اُسے یہ بھی پتہ ہے کہ اسے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ اب اس سے زیادہ ابتر حال کیا ہوگا؟ لیکن کیا اس حال کو ابتر رہنے دیا جائے اور کام چھوڑ دیا جائے؟ نہیں بلکہ اپنے قول وعمل سے ثابت کیا جائے کہ حق صرف دین ہے اور جو دین سے دور

ہیں وہی حق پر نہیں ہیں اور جس شدت کا یہ طوفان بدتہذیبی ہے اسی شدت سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ بُرائی کو اچھائی میں بدلنا بہت مشکل کام ہے اور بُرائی کا جواب بُرائی سے دینا کچھ مشکل نہیں۔ کوئی بدگوئی کرے اسے جواباً نفرین کرنے سے کیا فرق پڑے گا؟ لیکن کسی کی بدکلامی کے جواب میں ہم ایسی بات کہیں جس میں اسکی سلامتی کا پہلو بھی نکل آئے اسے احساس ہو جائے کہ کسی کو گالی دینے میں اسکی اپنی عزت بھی تباہ ہو رہی ہے اسکی بداخلاقی کا اسے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا۔ یہ بہت مشکل کام ہے اس۔کے لئے اپنی ذات پر بہت زیادہ محنت ومجاہدے کی ضرورت ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ فرصت ہوگی تو ذکر کریں گے آج فرصت نہیں ہے کل سہی یعنی جس قوت کے بل بوتے پر ہم نے معاشرے میں ایک طرز فکر پیدا کرنا ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ روئے زمین پر ایک تبدیلی آئے لیکن اسے ہم اپنے اس ایک وجود پر نہیں لا سکتے اس کے لئے چھٹیاں اور رعایتیں تلاش کرتے رہتے ہیں تو اگر ہم اپنے آپ کو نہیں بدل سکتے تو دوسرے کس کو بدل دیں گے اس راستے کے لوازمات میں سے جہاں محنت ومجاہدہ ہے وہاں ادب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اتباع یہ چیز محبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس میں شیخ کا مخلص ہونا بھی شرط ہے اور مرید کا مخلص ہونا بھی لازم۔ جو شیخ نبی کریم ﷺ کے بجائے اپنی باتیں منواتا ہو اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہو وہ شیخ نہیں ہے شیخ وہ ہے جس کی اپنی ذات کی نفی ہو جائے وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پہنچائے لہٰذا وہ کوئی دوسرا نہیں ہوتا بلکہ حضور ﷺ ہی کی بات اور انہی کی برکات لوگوں تک پہنچاتا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہم اس کو صرف سنتے ہی نہ رہیں، صرف راہ ورسم ہی نہ رکھیں بلکہ اسے زندگی کا وہ حصہ بنائیں جسے اولیت حاصل ہو۔ ہمارا پہلا مقصد اپنی اصلاح، اپنی تبدیلی اور اپنے ساتھ اپنوں کی تبدیلی ہے۔ اگر ہم اس مقصد کے ساتھ لگ کر محنت کریں تو یہ تبدیلی کوئی ایسی مشکل نہیں ہے، ہم سے اس لئے نہیں ہوتی کہ ہم اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرتے اپنے آپ کو نہیں بدلتے خود وہیں رہتے ہیں دوسروں کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اس کے لئے پہلی بات ہے کہ ذکر کو پوری توجہ اور محنت سے کریں اسے اس کے اوقات میں کریں اور جتنی فرصت ملے اتنا کریں تلاوت کو لازمی بنائیں کوئی دن ایسا نہ ہو جو تلاوت سے خالی ہو خواہ چند آیات پڑھ لیں یا ایک رکوع پڑھ لیں لیکن قرآن کو مطلقاً چھوڑ نہ دیں۔ پڑھنے کے لئے سب سے اچھا کلام قرآن مجید ہے دنیا کے ہی نہیں آخرت کے بھی تمام کاموں کی بہتری کے لئے اللہ نے بہترین وظیفہ درود شریف بتایا ہے قرآن میں آتا ہے **ان اللّٰہ وملٰئکتہ' یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً** ۝ الاحزاب آیت ۵۶ لہٰذا درود شریف پڑھیں نماز پنجگانہ پابندی سے ادا کریں وہ عمل کریں جو اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اُن سے بچیں جن سے بچنے کی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے تاکید کی ہے اللہ ہی کو قادر مطلق مانیں اور یہ بات تسلیم کر لیں کہ دنیا کا نظام طے شدہ ہے اور بالکل محفوظ ہاتھوں میں ہے اس نظام میں کوئی خامی نہیں نہ اس نظام میں کسی جادوگر، عامل یا وظیفے پڑھنے والوں کا کوئی دخل ہے کوئی کسی عمل یا کلام سے اس میں رائی برابر مداخلت نہیں کر سکتا اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو جادوگروں کو موت نہ آتی وہ اپنی بیماریاں ٹال دیتے اور اپنے کام سنوار لیتے لیکن ہم سب دیکھتے ہیں کہ وہ بھی اسی نظام زندگی سے گزر رہے ہیں انکے ہاں بھی صحت وبیماری، موت وحیات نفع ونقصان ہے اور زندگی کے تمام زیر و بم ہیں لہٰذا اس فضول وہم میں مبتلا نہ ہو کہ کسی نے آپ پر جادو کر دیا ہے۔ کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا اگر آپ کا معاملہ رب العالمین سے درست ہے اللہ کے حبیب ﷺ سے درست ہے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نعمت کو حاصل کرنے سنبھالنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے محنت

کی جائے جس تک یہ نعمت پہنچتی ہے اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بلغوا عنی ولو کان آیتہ کہ میرے چند الفاظ بھی تمہارے پاس ہیں تو انہیں آگے اپنے بھائیوں تک پہنچاؤ وہ تمام انسانیت کی امانت ہیں جسے تعلیمات ملیں جسے برکات ملیں اسے آگے پہنچانا اسکی ذمہ داری ہے کوشش کریں محنت کریں مجاہدہ کریں یہاں عذر ومعذرت کی گنجائش نہیں ہے آپ ہمت کریں توفیق اللہ دے گا۔

اب میں بعثت نبوی ﷺ کے جلسہ کی بابت بات کرنا چاہتا ہوں پچھلے سال ہم یہ جلسہ نہیں کر سکے کچھ ملکی حالات ایسے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ جلسہ ہوتا ہے زیادہ افراد تک بات پہنچانے کیلئے۔ اگر یہی لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں انہیں لے کر گراؤنڈ میں جا کر بات کریں تو وہ جلسہ نہیں ہوگا۔ لہذا تمام ساتھی، ذمہ دار افراد، صاحب مجاز، ڈویژن اور ضلع کے اُمراء اور تمام احباب ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ افراد کو بعثت رحمت عالم ﷺ کے جلسے کے لئے مدعو کریں اور اس جلسے میں شمولیت کی کوشش کو کامیاب کروائیں۔ اپریل میں ربیع الاول ہوگا اگر ہمیں جلسہ بعثت رحمت عالم ﷺ کرنا ہے تو اس کے لئے کم از کم ایک لاکھ افراد کا اجتماع چاہیے اور اگر آپ نہیں کر سکتے تو پھر جلسہ نہیں ہوگا آج ماہانہ اجتماع ہے اور مہینے کا ابتدائی ہفتہ ہے اگلے مہینے کے اجتماع پر میں چاہوں گا کہ آپ مجھے یہ رپورٹ دیں۔ سولہ کروڑ عوام میں سے اگر سولہ لاکھ افراد ہوں تو کل تعداد کا سواں حصہ بنتا ہے یعنی ایک فیصد اور ایک فیصد سے بھی اگر کم ہو جائیں تو سولہ کروڑ میں سے ایک لاکھ تو ہو اس کی آواز کہیں سنی تو جائے وہ پیغام دنیوی اعتبار سے بھی ایک مضبوط آواز بن کر دور تک جائے سلطنت کے ایوانوں تک جائے حکومتوں حکمرانوں تک پہنچے بین الاقوامی سطح پر یہ پیغام پہنچے یہ افرادی قوت کے بل بوتے پر ممکن ہے۔ دنیوی کاموں کے لئے دنیوی اسباب ضروری ہوتے ہیں ایک لاکھ افراد کا جمع ہونا اس آواز کو وسعت دے گا اور اگر افرادی قوت کم ہوئی تو آواز دور تک نہیں سنی جائے گی۔ یہیں رہ جائے گی لہذا اگلے اجتماع پر مجھے بتائیں اور میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دیجیے جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ لوگ دنیاوی دوستیوں کیلئے جھگڑے مول لے لیتے ہیں بدمعاش اپنی برادری مضبوط کر کے اپنے کام کرتے ہیں زمیندار اپنی کارروائیوں کے لئے دوست اکٹھے کر لیتے ہیں اور ہمارے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی بات سننے کے لئے کوئی نہیں آتا۔ دراصل ہم کوشش نہیں کرتے۔ جس طرح کوئی غلط کار اپنی بدمعاشی قائم کرنے کے لئے محنت کرتا ہے اور لوگوں کو ساتھ ملاتا ہے یا زمیندار آپس میں لڑنے کے لئے دوستوں کو جمع کر لیتے ہیں ہم اس طرح کی محنت بھی نہیں کرتے لہذا اس دفعہ میری اس گزارش کو شرط سمجھ لیں اور اگلے اجتماع پر مجھے بتائیں اور مجھے یقین دلائیں تو انشا اللہ اسی دن کوئی تاریخ مقرر کر دی جائے گی ہفتے دس دن سے زیادہ کا وقت نہیں دیا جائے گا۔ خوب محنت کریں اور اگر یہ ٹارگٹ پورا نہ ہو سکا تو اللہ کی مرضی آپ سے تو بات ہوتی رہتی ہے پھر بھی ہوتی رہے گی۔ آپس میں ہی کرنا ہے تو یہیں کر لیں گے اُٹھ کر گراؤنڈ میں جانے سے کیا فرق پڑے گا میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ ہوگا انشاءاللہ اللہ کریم آپ کی مدد فرمائے آپ کوشش کریں گے تو یہ ضرور ہوگا انشاءاللہ یہ اس لئے نہیں ہے کہ لوگ مجھے بڑا کہیں یا ہمیں بڑا کہیں یہ اس لئے ہے کہ اس آواز میں بھی ایک طاقت ہو یہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے نام پر بلند ہو اور کسی کو محسوس ہو کہ کچھ لوگ کوئی بات کہہ رہے ہیں۔

..........☆☆☆..........

کمال انسانیت یہ ہے کہ بھرپور' خوبصورت اور معتدل زندگی گزاری جائے جس میں ایک ترتیب' ایک معیار اور ایک حسن جھلکتا ہو اور یہ سب کچھ رب جلیل کو راضی رکھنے کے لئے کیا جائے اور واقعی یہی معیار کمال بھی ہے کہ لباس اچھا ہو مگر تفاخر کے لئے نہ ہو۔ پیٹ بھرا ہو مگر حلال سے۔ بازو میں قوت ہو مگر زیادتی نہ کرے۔

اقتباس از "کنزالطالبین"

اکرم التفاسیر

سے اقتباس......

امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی پہلی بیانیہ تفسیر قرآن حکیم

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 16-11-2007

الحمدللّٰہ رب العٰلمین o

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّاٰلہٖ

واصحابہٖ اجمعین o

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم o

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیم o

الذینَ قالوا لاخوانھم وقعدوا لو اطاعو ناماقتلو قُل فادرؤ عن انفسکُم الموت ان کنتُم صٰدقین o ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتاً بل احیاء عندربھم یرزقون o فرحین بما اٰتٰھمُ اللّٰہ من فضلہٖ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھُم یحزنون o یستبترون بنعمتہٖ من اللّٰہ وفضلٍ واَن اللّٰہ لا یضیعُ اجرَ المومنین o

اللھُم سبحنک لا علملناَ الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصُرُوا

منافقین کا تذکرہ ہے کہ مشکل حالات اور تکالیف کے آنے سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ کھرا اور کھوٹا الگ الگ ہو جاتا ہے اللہ کریم قادر ہیں وہ اپنے نبیؐ کو بذریعہ وحی بتا دیں گن کر اور نام لے کر بتا دیں اور یقیناً اللہ نے حضور ﷺ کو بتا بھی دیا لیکن نبی کریم ﷺ نے کسی کا نام لے کر اعلان نہیں فرمایا بلکہ عملی زندگی میں اُن کے کردار نے انکے دعوئ ِاسلام کی قلعی کھول دی انکی منافقت ظاہر ہوگئی وہ موت سے ڈر کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پہچانے گئے خود کو مومنین سے الگ کرلیا اور اس طرح ان کا نفاق ظاہر ہوا کہ وہ اس قابل بھی نہ رہے کہ کہہ سکیں کہ ہم تو کھرے مومن ہیں ہمارا نام خواہ مخواہ لیا جا رہا ہے۔ ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ تم ہماری بات سنتے اور حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوتے تو تم قتل نہ ہوتے لیکن تم نے ہماری بات نہ مانی جہاد میں شریک ہوئے تمہارے بھائی بند مارے گئے نقصان ہوا ہم تو پہلے ہی کہتے تھے یہ جنگ نہیں خودکشی ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا انہیں یہ جواب دیجیے قل فادراءُ واعن انفُسکُم الموت ان کنتُم صٰدقین۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ تمہارا ساتھ دیتے تو قتل نہ ہوتے تو تم خود کیوں مرتے ہو؟ تم میں سے بھی کئی لوگ وقت مقررہ پر موت کی نذر ہو رہے ہیں تو ان کو مرنے سے بچا لو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تمہیں نہیں مرنا چاہیے لیکن مرتو تم بھی رہے ہو!

ان آیات میں فلسفہ موت وحیات بیان ہو رہا ہے موت کیا ہے؟ عام آدمی کی نظر میں موت شاید زندگی کا خاتمہ ہے لیکن درحقیقت موت

زندگی کا خاتمہ نہیں زندگی کے کئی حصے ہیں ایک حصہ عالم امر ہے جہاں تمام روحیں زندہ ہیں وہیں سے باری باری دار دنیا میں مادی وجود میں شکم مادر میں منتقل ہوتی ہیں جتنا عرصہ روح ماں کے پیٹ میں رہتی ہے وہ اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے پھر شکم مادر سے دار دنیا میں منتقل ہوتی ہے بدن غذا کھاتی ہے وجود بڑھتا ہے عقل وشعور ادراک محسوسات سب کے ساتھ کام کرتا ہے یہ اسکی زندگی کا اس سے اگلا حصہ ہے دنیا سے جانے کے لئے اس پر موت وارد ہوتی ہے برزخ میں داخلے کے ساتھ اس کی زندگی کا ایک اور حصہ شروع ہو جاتا ہے۔ قیامت بپا ہوگی میدان محشر میں ساری مخلوق جمع ہوگی عرصہ محشر بھی زندگی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ وہاں فیصلہ ہوگا ابدی ٹھکانے نصیب ہوں گے اہل نار دوزخ میں اور اہل جنت جنت میں جائیں گے وہاں حقیقی زندگی شروع ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی یہ زندگی کی منزل ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں کوئی مومن ہے یا کافر، نیک ہے یا بد، پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ اسے زندگی کے ان تمام مراحل سے گزرنا ہے اور یہ منافق جب کہتے ہیں کہ جہاد پر نہ جاؤ کہ جہاد پر جانے سے مارے جاؤ گے تو کیا جو جہاد پر نہیں جاتے وہ موت سے دوچار نہیں ہوتے؟

خوش نصیب لوگ زندگی کے ان تمام مراحل کو سمجھ کر اگلے مرحلے کی تیاری کرتے ہیں اللہ جل شانہٗ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں صدق دل اور خلوص نیت سے اتباع کرتے ہیں ان کے لئے دار دنیا کی زندگی ہو مرحلہ موت ہو مابعد الموت ہو برزخ یا میدان حشر ہو کوئی مرحلہ بھی مسئلہ نہیں ہوتا انہیں دار دنیا میں بھی احترام نصیب ہوتا ہے اللہ کی طرف سے عزت نصیب ہوتی ہے ان کی موت بھی آبرومندانہ ہوتی ہے برزخ میں بھی انہیں خوشی اور مسرت نصیب رہتی ہے، میدان حشر میں انہیں نبی کریم ﷺ کے لوائے حمد کے زیر سایہ جگہ نصیب ہوگی جنت میں داخلہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امن سلامتی خوشی اور مسرت نصیب رہے گی۔ لیکن جو لوگ اللہ پر ایمان سے محروم رہتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت سے محروم رہتے ہیں وہ اپنے کئے کا انجام پاتے ہیں بے شمار دنیاوی سہولتوں کی موجودگی میں بے سکون رہتے ہیں ان کی بداعمالیاں انکے لئے دنیا میں دشواریوں اور مصائب کا سبب بنتی ہیں بدکار کو زندگی میں سکون نہیں ملتا موت اسے بے آبرو کر دیتی ہے مرنے کے بعد عذاب الگ ہوتے ہیں پھر میدان حشر کی رسوائی اور جہنم کے عذاب اللہ اس سے پناہ میں رکھے اور ہر مسلمان کو حقیقی ایمان عطا فرمائے۔

ایمان کیا ہے؟ ایمان نام ہے نبی کریم ﷺ پر اعتبار کرنے کا۔ اس یقین کا نام ایمان ہے کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ سچ ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں یہ سچ ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ وحدہٗ لاشریک ہے یہ سچ ہے آپ ﷺ نے فرمایا قیامت ہے سچ ہے آپ ﷺ نے فرمایا عذاب وثواب ہے سچ ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ کام کرو اور اس کام سے رک جاؤ یہ بھی سچ ہے ان سب باتوں کو سچ ماننے کا دعویٰ تو ہر ایک کو ہے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ اسے نبی کریم ﷺ پر اعتماد ہے لیکن اس دعوے کی سچائی کا پتہ تب چلتا ہے جب حضور ﷺ فرماتے ہیں اس راستے پر چلو اور اس راستے پر مت چلو۔ جب ہم وہ راستہ چھوڑ دیتے ہیں جس سے روکا گیا ہے اور وہ راستہ اپناتے ہیں جس پر چلنے کو کہا گیا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہمیں حضور ﷺ کی بات پر اعتماد ہے جس بات سے روکا گیا ہے وہ ہمارے لئے یقیناً نقصان دہ ہے اور وہ راستہ یقیناً پُرامن ہے جس کے لئے اجازت دی گئی ہے اور جب ہم حضور ﷺ کے حکم کے خلاف

کرتے ہیں تو پھر ہم صرف زبانی ہی کہتے ہیں کہ ہمیں حضورﷺ پر اعتماد ہے اندر سے ہم نہیں مانتے اور جب اندر یقین نہ ہو تو یہی زندگی اور اسکی لذتیں دائمی لگتی ہیں اور بندہ موت سے بچنا چاہتا ہے۔

فرمایا ان سے کہو موت سے تو تم بھی بچ نہیں سکتے ہاں تمہاری موت کے بعد کے انجام میں اور مومنین کے انجام میں بہت فرق ہے۔

حضور اکرمﷺ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہونے والے اور جام شہادت سے سرفراز ہونے والوں کے بارے میں جنہیں تم کہتے ہو کہ اگر وہ نہ جاتے اور تمہارے ساتھ بیٹھے رہتے تو موت سے بچ جاتے تو وہ خوش نصیب تو ایسے ہیں کہ وہ قتل ہو کر مر نہیں گئے اللہ کی راہ میں جان دینے سے کارگاہ الفت میں شہید ہو جانے سے یہ فلسفہ موت اس طرح بدل جاتا ہے کہ **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموات**. جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتا ہے اس کے بارے یہ سوچو بھی نہیں یہ گمان بھی مت کرو کہ وہ مر گیا۔ ایسا کہنا تو دور کی بات ہے ایسا سوچنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ حالانکہ لفظ قتل کا اطلاق ہی وجود کے ختم ہونے پر ہوتا ہے۔ بندے کے وجود کو گولی لگتی ہے یا کوئی اور ہتھیار لگتا ہے سینہ پھٹتا ہے یا گردن کٹتی ہے جدید ہتھیاروں سے تو جسم کے پرخچے اڑ جاتے ہیں ورنہ تو لوگ بیمار ہو کر فوت ہو جائیں یاد ل کے عارضے سے فوت ہو جائیں انہیں کوئی قتل ہونا نہیں کہتا قتل ایک ایسا لفظ ہے جس سے بدن ٹوٹ پھوٹ کر موت سے دوچار ہوتا ہے اس آیت مبارکہ میں بھی قتلوا کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ وہ جو اللہ کی اہ میں قتل ہو جائے اسے مردہ نہ کہو وہ مرا نہیں بلکہ **بل احیاء عند ربھم** وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا اور وہ زندہ ہے **یرزقون** اسے رزق دیا جاتا ہے۔

یہاں قرآن حکیم نے واضح کر دیا عام انسان کی موت میں اور شہید کے قتل ہو کر عالم برزخ میں جانے میں کیا فرق ہے۔ روح تو ہر مرنے والے کی زندہ رہتی ہے روح پر موت وارد نہیں ہوتی موت نام ہے بدن اور روح کے تعلق کو توڑ دینے کا۔ بدن سے روح الگ کر دی جاتی ہے لیکن روح زندہ رہتی ہے کافر کی روح بھی زندہ رہتی ہے اگرچہ عذاب میں رہتی ہے تو اگر شہید کو یہ مانا جائے کہ اسکی صرف روح زندہ رہتی ہے تو پھر غیر شہید اور شہید میں کیا فرق ہوا فرق یہ ہے کہ شہید کی روح کا تعلق اس کے بدن سے اتنا مضبوط رہتا ہے کہ اس کا بدن گلتا سڑتا نہیں وہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے اسے اس دنیا کی گرمی سردی نہیں لگتی وہ اس دنیا کی غذا نہیں کھاتا لیکن اس کا بدن قائم رہتا ہے اُسے اللہ کیطرف سے غذا دی جاتی ہے اور اس کا بدن ویسے ہی سلامت رہتا ہے جیسا کہ روح کی موجودگی سے ہوتا ہے صرف عالم بدل جاتا ہے اس عالم کی غذا کی بجائے برزخ میں غذا عطا ہوتی ہے۔ ہر مومن کا ایمان ہے کہ جب اللہ نے شہید کو مردہ کہنے سے منع کر دیا تو وہ زندہ ہیں یہی یقین ہے اور اس پر تاریخی شہادتیں ہر زمانے کی موجود ہیں جو باعث تقویت ایمان ہیں۔ فرمایا یہ دکھ نہ کرو کہ بھائی مارا گیا۔ نہیں جو شہید ہوا اُسے اللہ کی راہ میں موت آئی۔ **بل احیاء عند ربھم** بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس **یرزقون** رزق دیئے جاتے ہیں کھاتے پیتے ہیں **فرحین بما اتھُم اللہُ من فضلہٖ** اور اللہ نے ان پر جو انعامات کئے ہیں اُن سے بے حد خوش ہیں **و یستبشرون بالذینَ لم یلحقوا بھم من خلفھم** اور جو لوگ پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں وہ اُن کے لئے بھی تمنا رکھتے ہیں کہ اللہ انہیں بھی اس سعادت سے سرفراز کرے کہ وہ شہید ہوں اور دائمی زندگی کی لذتوں کو پائیں وہ تو اپنے پچھلے لوگوں کے لئے بھی اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ اللہ شہادت کو اُن کے لئے بھی

عام کر دے اور منافقین کہتے ہیں کہ وہ مارے نہ جاتے۔ مومنین چاہتے ہیں کہ اللہ انہیں بھی نور ایمان دے ان پر بھی اللہ یہ مہربانی فرمائے کہ وہ اللہ کے دین پر اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر مرمٹیں۔ الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون. شہدا کو نہ گزری ہوئی بات کا دکھ ہوتا ہے نہ آئندہ کا ڈر اور خوف ہوتا ہے بلکہ یستبشرون بنعمتہ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المومنین بلکہ وہ اللہ کی مہربانیوں اور عنایات سے خوش ہوتے ہیں اور اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ قرآن حکیم کے مطابق یہ شہادت کا فلسفہ ہے اور ہر مرنے والا شہید نہیں ہوتا۔ شہید صرف وہ ہوتا ہے جسے اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر کامل اعتماد ہوتا ہے اور حضور ﷺ کے اتباع میں احکام دین کے نفاذ کے لئے جان دیتا ہے۔

ہمارے ہاں اس لفظ کا بہت غلط استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات بات بڑے غلط رواج بنا ڈالتی ہے۔ اندرا گاندھی نے جب سکھوں کے گولڈن ٹمپل پر چڑھائی کی اور بہت سے سکھ مارے گئے تو ضیاء الحق مرحوم نے بڑی غلطی کی اور پہلی بار کسی نے یہ کہا کہ سکھ شہید ہو گئے کافر کے لئے لفظ شہید استعمال کرنا جرم ہے شہادت کی توہین ہے لیکن ہندوؤں نے اُسے ایسا اپنایا کہ اب وہ اپنے مرنے والے فوجیوں کے لئے شہید کا لفظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس حیات بعد الموت کا کوئی تصور ہی نہیں اُن کا تصور تو یہ ہے کہ ہر مرنے والا کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں دوبارہ پیدا ہوتا ہے اگر مرنے والے کے اعمال اچھے ہوں تو وہ کسی امیر کے گھر پیدا ہو جاتا ہے اور اعمال بُرے ہوں تو کسی جانور کی شکل میں پیدا ہو جاتا ہے وہ آخرت قیامت جنت یا دوزخ کے قائل نہیں بلکہ آواگون یعنی Recarnation کے قائل ہیں تو ان کے ہاں شہادت کا کیا مطلب؟ یہ تو عقیدہ ہی اسلام کا ہے صرف حضور ﷺ کی اطاعت میں جان دینے والا ہی شہید کہلاتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے جب دو مسلمان آپس میں لڑتے ہیں تو ان دونوں میں سے شہید کون ہے؟ جیسے ہماری فوج سرحد کے لوگوں سے لڑ رہی ہے دونوں طرف کے لوگ کلمہ پڑھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں فوجی کہتے ہیں کہ فوجی شہید ہو گئے اور سرحد کے لوگوں کو تخریب کار عسکریت پسند یا دہشت گرد کا نام دیکر کہتے ہیں وہ ہلاک ہو گئے۔ سرحد کے لوگوں سے پوچھو تو وہ کہتے ہیں ہمارے لوگ شہید ہو گئے اور اتنے فوجی ہلاک ہو گئے۔ اب اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ اس کا فیصلہ وہی کرے گا جس کی عدالت میں جائیں گے کہ کون اسکی ذات کے لئے اس کے دین کے نفاذ کے لئے یا حق کے نفاذ کے لئے اتباع رسالت کے لئے حضور ﷺ کا حکم مانتے ہوئے خلوص دل کے ساتھ لڑتا ہوا موت سے ہمکنار ہوا اور شہید ہوا اور کون محض افراتفری میں مارا گیا جسے نہ دین سے غرض نہ حق سے آشنائی۔ سادہ سا اصول ہے کہ شہادت ہوتی ہے ظلم کے خلاف لڑنے میں اور عدل کے نفاذ کے لئے اور جو کفر یا بے دینی کی ترویج کے لئے لڑ رہا ہے اسے شہادت کیسے مل سکتی ہے۔

میرے خیال میں اس کا فیصلہ میدان کربلا کی مثال سے ملتا ہے میدان کربلا میں دونوں طرف کلمہ گو تھے ایک طبقے کو ہم شہید مانتے ہیں اور دوسری طرف کے مرنے والوں کو کوئی شہید نہیں مانتا۔ حالانکہ وہ بھی کلمہ پڑھتے تھے تو اُن میں شہید تو صرف وہی تھے جو حق پر تھے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے حق کو قائم کرنے کے لئے جان کی بازی لگا گئے اور خاندان رسالت دین کے غلبہ کے لئے شہادت سے سرفراز ہوا۔

یہی فلسفہ شہادت بیان ہو رہا ہے کہ ہر مرنے والا ختم نہیں ہو جاتا موت زندگی کا خاتمہ نہیں موت کیساتھ نئی زندگی کی صبح ہوتی ہے اس زندگی کی جو دائمی ہے جسے ختم ہونا ہی نہیں۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

اس زندگی کے بعد دائمی زندگی شروع ہوگی۔ انسان کی روح عالم خلق سے نہیں ہے یہ عالم امر کی چیز ہے قل الروح من امر ربی امر باری تعالیٰ کی صفت ہے اور روح امر سے تعلق رکھتی ہے روح اوصاف باری سے ہے اور صفت باری پر موت ممکن نہیں۔ موت تو خلق پر آتی ہے موت تو خود مخلوق ہے غیر مخلوق کو احاطے میں نہیں لے سکتی موت بدن سے رشتہ توڑ دینے کا نام ہے لیکن شہید کا رشتہ عام آدمی کی طرح نہیں منقطع کیا جاتا بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں اور اُن کی روح کا بدن سے ایسا رشتہ اور تعلق رہتا ہے کہ بدن قیامت تک تروتازہ رہتا ہے اور شہادت عنداللہ اتنی عظیم نعمت ہے کہ اُن کے لئے موت بھی سختی یا شدت نہیں لاتی بلکہ اُن کا بڑا پُرجوش استقبال کیا جاتا ہے تاریخی اعتبار سے بے شمار شہادتیں موجود ہیں شہداء کی قبریں ضرورت پڑنے پر کھولی گئیں تو وجود تروتازہ تھے۔ ایک شہید تو یہ تھے جو اللہ کی راہ میں جان ہار گئے اور وہ لوگ بھی ایک درجے میں شہید تھے جو اطاعت الٰہی میں زندگی بسر کر گئے وہ بھی اللہ کے ایسے مقبول بندے تھے اُن کے اجسام بھی پرانے نہیں ہوتے ان کی ارواح کا تعلق انکے بدنوں سے اتنا مضبوط رہتا ہے کہ ان کے اجساد تروتازہ رہتے ہیں جیسے بیشتر صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین۔ مسجد نبوی کی توسیع میں کئی شہدا کے وجود نکلے واقعہ اُحد کے بعد چالیس سال بعد وہاں سے نہر گزاری گئی اور اُحد کے شہدا کو عہد نبوی کے مدفن سے نکال کر باہر دفن کیا گیا اگر کسی شہید کا زخم تھا تو اس وقت بھی اس سے خون رس رہا تھا اور وجود ویسے ہی تروتازہ تھے 1970ء کی دہائی میں مسجد نبوی کی توسیع کے دوران مدینہ منورہ کے قبرستان سے حضور ﷺ کے والد گرامی اور چند صحابہ کرامؓ کے وجود نکال کر جنت البقیع میں دفن کئے گئے تو تمام وجود گرامی درست حالت میں اور دنیاوی زندگی کی طرح تروتازہ تھے۔

اگر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت پر کوئی جان دیتا ہے تو اس کے لئے حکم ہے کہ اسے مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے تو خود نبی کریم ﷺ کے لئے یہ لفظ کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے جو حضور ﷺ کی اطاعت میں جان دیتا ہے وہ زندہ ہے اس کا وجود بھی قائم ہے تو خود نبی ﷺ کی حیات کیسی ہوگی؟ اور اس کے لئے یہ لفظ استعمال کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ انبیاء علیھم السلام کا دنیا سے تشریف لے جانا غیر انبیاء کی موت کی طرح نہیں ہوتا۔ اُن کی ارواح مبارکہ کا گھر اُن کا وجود عالی ہی رہتا ہے۔ اگر معاذ اللہ یہ تصور کیا جائے کہ خود حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک بدن اطہر سے جدا کر کے علیین میں رکھ دی گئی تو علیین میں کونسی ایسی جگہ ہے جو بدن اطہر رسول ﷺ سے افضل ہے۔

حق یہ ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی روح تمام ارواح میں افضل ہے اسی طرح حضور ﷺ کا بدن مبارک بھی اللہ کی ساری مخلوق میں افضل ترین ہے بلکہ علمائے حق فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر بہترین جگہ بیت اللہ شریف ہے کہ تجلیات ذاتی کا مہبط ہے لیکن مدینہ منورہ میں روضہ اطہر کا وہ ٹکڑا زمین جہاں نبی کریم ﷺ استراحت فرما رہے ہیں اور بدن مبارک سے مَس ہو رہا ہے وہ حصہ زمین بیت اللہ سے افضل ہے اس لئے کہ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے حضور ﷺ کا وجود عالی کائنات کی ہر تخلیق سے افضل ترین ہے تو جو حصہ زمین حضور ﷺ کے بدن عالی سے مس ہو رہا ہے وہ بھی ہر شئے سے افضل

ہے بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے لہذا علیین ہو تو بھی وجود اطہر سے افضل ہو نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ شہید کو مرنے کے بعد ترقی نصیب ہو اور انکی ارواح دنیا سے اعلیٰ جگہ پر ترقی پائیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وصال نبوی ﷺ کے بعد حضور ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ جگہ کو چھوڑ کر کم تر جگہ پر تشریف لے جائے۔ حیات نبوی ﷺ ایسی ہے کہ آپ ﷺ کا اس دنیا سے انتقال ہوا، عالم دنیا کیساتھ مادی رشتہ منقطع ہوا حضور ﷺ برزخ میں جلوہ افروز ہوئے آپ ﷺ کا وصال ایسا نہیں جیسے عام انسان پر موت وارد ہوتی ہے جس طرح بدن اطہر کے ساتھ حضور ﷺ دنیا میں جلوہ افروز تھے اسی طرح برزخ میں جلوہ افروز ہیں جو ادب حیات دنیا میں بارگاہ نبوی کا تھا آج بھی روضہ اطہر کا وہی ادب ہے آج بھی اسی ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلام پیش کیا جاتا ہے۔ وہاں آواز بلند کرنا حرام ہے بے ادبی ہے اور توہین کرنا کفر کے زمرے میں لے جاتا ہے۔

فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کے بارے سوچو بھی نہیں کہ وہ مر گئے وہ زندہ ہیں اپنے رب سے رزق پاتے ہیں کھاتے پیتے ہیں انہیں اللہ کی نعمتیں حاصل ہیں وہ ان نعمتوں پر بڑے خوش ہوتے ہیں اور جو لوگ اُن کے پیچھے رہ گئے ہیں وہ اُن کے لئے بھی تمنا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں بھی شہادت سے نوازے تاکہ انہیں دائمی زندگی کی نعمتیں اور عزت نصیب ہو اللہ کے ہاں انکی قدر و منزلت ہو اور انہیں نہ گذشتہ کا دکھ ہوتا ہے نہ آئندہ کا خوف اللہ خلوص دل سے اطاعت الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کرنے والوں پر مہربانیاں فرماتا ہے اور اللہ ایمان والوں کا اللہ پر یقین رکھنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ....☆☆☆

اِنا للہ وانا الیہ راجعون

درج ذیل احباب اور انکے عزیز واقارب دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

☆......لاہور سے محمد جاوید کی والدہ۔

☆......لاہور سے محمد اختر کی والدہ

☆......اسلام آباد چوہدری محمد اسلم کے چچا اور بھانجی۔

☆......ڈسکہ سے چوہدری محمد عاشق جالندھری

☆......ڈسکہ سے محمد لطیف کی اہلیہ

☆......ڈسکہ سے حاجی غلام

☆......ڈسکہ سے عبدالحمید چھینہ کی خالہ ساس

☆......فیصل آباد سے عبدالرشید اعوان کے بھائی عبداللطیف اعوان

☆......کراچی سے محمود قریشی کی والدہ۔

☆......سرگودھا سے ملک عبدالماجد کے دادا جان

☆......فیصل آباد سے ڈاکٹر محمد نذر کی والدہ۔

☆......کوئٹہ سے نادر شاہ کے والد

☆......ڈیرہ اسماعیل خان سے مولانا احمد شعیب کی بہو۔

☆......ڈیرہ اسماعیل خان سے احسان اللہ کے چچا۔

☆......ڈیرہ اسماعیل خان سے حاجی عبدالرشید کا بیٹا۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

سوال و جواب

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال 30-07-2007

سوال:- کہا جاتا ہے کہ ''احدیت'' عرش کا دروازہ ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ ''سالک المجذوبی'' کے بعد عرشی منازل شروع ہوتے ہیں یہ بات گڈ مڈ ہو گئی ہے وضاحت کر دیجیے۔

جواب :- صدیاں گزر گئیں اور ان گزرنے والی صدیوں میں بہت کم عرش کا یا عرشی منازل کا تذکرہ آیا تصوف پر متقدمین کی بڑی معرکتہ الاراء تصانیف کا مطالعہ فرمایئے اُن کے ارشادات پڑھیئے اُن کی سوانح کا مطالعہ کیجئے تو فنا بقاء سے آگے کی بات بہت کم ملتی ہے بلکہ نایاب ہے۔ اللہ کریم اُن پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے منازل بالا کے لوگ کسباً تلاش کئے گئے تو برصغیر میں چودہ صدیوں میں عرشی منازل پر پہنچنے والوں کی تعداد گیارہ یا بارہ تھی اُن میں چند ہستیاں تو معروف ہیں جیسے علی ہجویریؒ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور مجدد الف ثانیؒ اور باقی غیر معروف ہیں۔ برصغیر میں چودہ صدیوں میں چودہ بندے نہیں ملتے اس سے ان مقامات کی عظمت کا اندازہ کرنا چاہیے جن کا نام ہم آسانی سے اپنی زبان پر لے آتے ہیں۔ برصغیر وہ جگہ ہے جو ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اسلام سے خالی نہیں رہا یہاں صحابہ کرامؓ کا آنا بھی ثابت ہے۔ ابتدائے اسلام میں ہی برصغیر میں فتوحات اسلامی شروع ہوئیں صحابہ کرام برصغیر کے شمالی پہاڑی دروں سے گزرتے ہوئے چین تک گئے یعنی یہ بات بھی نہیں کہ یہاں اسلام بڑی تاخیر سے آیا اس کے باوجود عرشی منازل تبع تابعین کے بعد بہت کم نصیب ہوئے اور اُن کا تذکرہ تو بہت ہی کم ملتا ہے یہ تو حکمت الٰہی ہے کہ اس نے یہ دروازہ کھول دیا کہ ہم آپ جیسا آدمی بھی ایسی منازل کی بات کرتا ہے۔

اس طرح کے سوال کو سوال نہیں کہتے۔ ان سوالوں میں کوئی جان نہیں۔ میرے خیال میں آپ کے پاس سوال ہیں ہی نہیں آپ کو مراقبات مفت میں مل جاتے ہیں نہ اس میں وقت لگتا ہے نہ مجاہدہ نہ کاروبار چھوڑنا پڑتا ہے نہ گھر بار سے الگ ہونا پڑتا ہے اتنی آسانی سے ملنے پر آپ نعمت کے عظیم ہونے کا احساس ہی نہیں رکھتے زمین سے آگے آسمان کا تذکرہ ملتا ہے تو کیا زمین اور آسمان کے درمیان کچھ نہیں ہے؟ جب زمین سے بالا کی بات ہوتی ہے تو سیدھی آسمان پر جا کر اٹکتی ہے تو آپ کا کیا خیال ہے درمیان میں فضا خالی ہے۔ اسی طرح سات آسمانوں کا تذکرہ ملتا ہے تو کیا ساتوں آسمان ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں ان کے درمیان کچھ نہیں۔ اسی طرح سبع سموات کے بعد جب شمار کیا جائے تو منازل عرش کی بات آتی ہے تو درمیانی منازل کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو عرش کو دی جاتی ہے لیکن آپ لوگ توجہ نہیں فرماتے مطالعہ کرنا ضروری نہیں سمجھتے اس موضوع پر حضرتؒ نے لکھا ہے لیکن اگر میں یہاں سوال کروں کہ کتنے لوگوں نے ''دلائل السلوک'' کا مطالعہ کیا ہے تو کتنے ہاتھ کھڑے ہوں گے؟ قرآن حکیم کے ساتھ رویہ عام مسلمان جیسا ہے اس کا

احترام کرتے ہیں اُسے اونچی جگہ رکھتے ہیں اور بس یہی بات معرفت الٰہی کے بارے میں بھی ہے آپ لوگ اس فن کے طالب اس پر وقت بھی لگا رہے ہیں اور اسکے بارے معلومات بھی حاصل نہ کریں تو یہ کتنی عجیب بات ہے۔ اکثر سوالات جو واقعی سوالات ہوتے ہیں جاننے کے لئے ہوتے ہیں وہ بھی وہی ہوتے ہیں جو پہلے کئی بار ''المرشد'' میں چھپ چکے ہیں وہ سوالات بھی بار بار اس لئے سامنے آتے ہیں کہ آپ لوگ مطالعہ نہیں کرتے۔ شاید جب ہم لوگ نہیں ہوں گے اور زبانی یہ باتیں بتانے والا نہیں ہوگا تب ان کتابوں کو کرید کرید کر پڑھا جائے گا اُن کے بارے رائے دی جائے گی حق میں اور خلاف بحثیں ہوں گی مذاکرت ہوں گے باتیں ہوں گی لیکن اب جب استفادہ ہوسکتا ہے لوگ بھی موجود ہیں حالات بھی سازگار ہیں تو ہمیں پڑھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی اور اس طرح کے سوال کئے جاتے ہیں کہ آسمان سے آگے عرش عظیم ہے۔

بات یہ ہے کہ جو کچھ عرفاً کہا جاتا ہے وہ کچھ اور ہوتا ہے اور جو کچھ گن گن کر کہا جاتا ہے وہ کچھ اور ہوتا ہے منازل عرش سالک المجذوبی کے بعد شروع ہوتی ہے اور احدیت بالائے آسمان ہے اس لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ عرش عظیم کا دروازہ ہے یہ بات عرفاً کہی جاتی ہے جیسے ہم زمین پر ہیں اور کہتے ہیں وہ چاند ہے لیکن درحقیقت ہمارے اور چاند کے درمیان بے شمار فاصلہ ہے اور بے شمار مخلوق بھی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ زمین سے قدم اٹھایا اور اگلا قدم ہمارا چاند پر ہے۔ ہاں یہ درست کہا جاتا ہے کہ احدیت سے منازل و مراقبات کی ابتدا ہوجاتی ہے۔ احدیت سے نیچے تصوف میں کوئی منزل نہیں ہے۔ اصطلاح تصوف میں منزل یا مراقبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کو وہ کیفیت نصیب ہو جو آدمی کی فکر اور اس کے حالات اور کردار کو تبدیل کردے اس لئے احدیت تک فاصلہ ضرور ہے لیکن کوئی منزل نہیں ہے۔ لطائف کے بعد پہلی منزل احدیت ہے جس کا اثر فکر، مزاج اور کردار پر پڑتا ہے اور اس طرح متاثر کرتا ہے کہ بندہ سمجھتا ہے واقعی اللہ واحد ہے لاشریک ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کو توجہ دیکر مراقبہ احدیت کرادے اور اُسے حاصل ہوجائے اس کے بعد اس شخص سے مزید کسی کرامت کی طلب فضول ہے بیکار ہے یعنی یہ سب سے بڑی کرامت ہے۔ سائنس کے پاس رفتار کو ماپنے کا آلہ روشنی ہے روشنی کی رفتار تیز ترین تصور کی جاتی ہے اس رفتار سے جو فاصلے ناپے جاتے ہیں انہیں نوری سال کہتے ہیں روح کی رفتار روشنی کی رفتار سے بہت زیادہ ہے روح کی رفتار سے اگر سال بنائے جائیں تو زمین سے آسمان تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے اور آسمانوں سے گزر کر احدیت تک چودہ ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ روح کی رفتار کے حساب سے یہ فاصلہ پچاس ہزار سال کا ہے اگر کوئی خود اللہ اللہ کرتا رہے اور اس کی روح میں قوت پرواز آجائے اور روح مسلسل سفر کرے تو اسکی روح کو احدیت تک پہنچنے کے لئے پچاس ہزار سال درکار ہیں۔ اللہ کا کوئی بندہ توجہ دے تو اللہ اُسے ایک آن میں احدیت تک پہنچا دیتا ہے اور یہ کام آسان نہیں ہے صدیوں میں ان کیفیات و منازل کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے کائنات میں نیکی اور بُرائی کا توازن رکھنا ہے۔ ورنہ ہم سے پہلے زمانے کے لوگ ہم سے علم و عمل میں ورع و تقویٰ میں غرض ہر لحاظ سے کروڑوں درجے بہتر لوگ تھے لیکن اللہ پاک کی مرضی اس نے اپنے نظام کو برقرار رکھنے کے لئے اتنی قوت عطا کی اور یہ منازل یوں عام کردیں کہ اب ماؤشما کی زبان پر ان کے نام آگئے ہیں۔ پہلے جب ظلمتیں بڑھتی تھیں تو نبیؑ مبعوث ہوجاتے تھے ایک توازن قائم ہوجاتا تھا۔ ایک طرف تاریکی تھی دوسری طرف نور آگیا۔ آپ ﷺ ختم المرسلین تھے آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نبوت

نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثال ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل میں پے در پے انبیاء آتے تھے وہی فریضہ حضور ﷺ کی اُمت کے علماء انجام دیں گے اس سے یہ مراد نہیں کہ علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ہو گئے۔ یعنی جو فریضہ ادا کرنے کے لئے انبیاء تشریف لاتے تھے اس اُمت کے علماء ربانی وہ فریضہ انجام دیں گے تو اس اعتبار سے یہ منازل بھی عام ہوتی رہتی ہیں اور یہ زمانہ شاید بہت ہی عظمت کا زمانہ ہے کہ اس میں منازل عرش تک عام ہو گئی ہیں۔ یہ اللہ کی اپنی عطا ہے اسکے اپنے پروگرام ہیں جنہیں وہ خود ہی بہتر سمجھتا ہے شروع میں ہم جب یہ روایات پڑھتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو باقی رکھا گیا ہے اور وہ دنیا میں نازل ہوں گے اور زمین پر عدل قائم کریں گے تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا لیکن سوال زبان پر لانے کی جرات نہ تھی کہ اگر نبیؑ کی ضرورت باقی رہ گئی تھی تو اللہ کریم نبیؑ پیدا کر سکتا ہے اور اگر ضرورت باقی نہیں تو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو باقی رکھنے کا کیا مقصد ہے؟ پھر جب ہم خود میدان عمل میں داخل ہوئے تو پتہ چلا کہ یہ توازن قائم رکھنے کے لئے انبیاء کے فیوضات کی ضرورت باقی رہتی ہے جو برکات قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہوتی ہیں وہ اہل اللہ کے ذریعے کائنات میں تقسیم ہوتی ہیں جوں جوں ظلمت بڑھتی ہے اس پائے کے مراقبات اہل اللہ کو عطا کئے جاتے ہیں اور اتنی قوت دی جاتی ہے کہ گمراہی کے زمانے میں بھی ایک روشن راستہ موجود رہے اور چلنے والوں کو راہ ملتی رہے اور یہ نہ ہو کہ چلنے والا تو ہو لیکن راستہ دکھانے والا نہ ہو یا راستہ دکھائی نہ دے تو پھر سمجھ آئی کہ ایک دور ایسا بھی آئے گا جس میں اتنی عظمت بڑھے گی کہ ولی اللہ کے انوارات کی روشنی شاید ناکافی ہو یا شب دیجور میں ایک جگنو ثابت ہو تو وہ وقت نزول عیسیٰؑ کا ہو گا کہ تمام انبیاء ہی اول روز سے حضور ﷺ کے اُمتی ہیں تو حضرت عیسیٰ بھی بحیثیت حضور ﷺ کے اُمتی ہونے کے زمین پر تشریف لا کر دین محمدیؐ کی ترویج کریں گے آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا نفاذ کریں گے لیکن نبیؑ کی قوت سے کریں گے اُن کی قوت اُن کا نور نور نبوت ہو گا اور اتنی ظلمت ہو گی کہ اس میں راستہ دکھانے کے لئے نور نبوت کی براہ راست ضرورت پڑے گی۔

یہ اللہ کا احسان اور اس کا اپنا نظام ہے لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ جس طرح کسی کمرے کو روشن کرنے کے لئے بلب ٹیوب یا لالٹین لگائی جاتی ہیں وہ کمرے کو تب ہی روشن کر سکتی ہیں جب انکی اپنی تاریں کنکشن کے ساتھ مضبوط و محفوظ رہیں وہ اگر کہیں سے ننگی ہو گئیں یا تار کمزور پڑ گئی یا کچھ حصے ٹوٹ گئے تو یہ اس قابل بھی نہیں رہے کہ خود اسے روشنی نصیب ہو گجا یہ کہ وہ دوسروں کو روشنی دے۔ اللہ کا کام تو بے پناہ ہے۔ لیکن ہم اپنا اندازہ کریں کہ اگر ہمیں اتنی جرات دی گئی کہ ہم عرشی منازل کو زیر بحث لائیں تو یہ ہمارے وجود' ہمارے علم و عمل کی روشنی کہاں تک راستہ اجاگر کر رہی ہے اس نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جیسے یہ کنکشن ملا اسے یہی شکایت رہتی ہے کہ آج تار ٹوٹ گئی' آج یہاں سے کمزور پڑ گئی' یہاں سے لٹک گئی' یہاں سے ٹوٹ رہی ہے' آج یہاں سے جوڑنا پڑا' وہاں جوڑ لگانا پڑا اور ساری زندگی لگا کر اپنے آپ کو ہی سنبھالتے رہے' جی سحری اٹھا نہیں جاتا' مجھ سے ذکر چھوٹ جاتا ہے مجھے یاد نہیں رہتا' مجھ سے بتایا نہیں جاتا یعنی جنکے ذمے تھا کہ وہ روئے زمین پر ایک روشن راستہ ظاہر کریں وہ خود نیند سے فارغ نہیں ہیں' اپنے دنیوی مسائل سے فارغ نہیں حلال کھانے کی محنت نہیں پرواہ نہیں پھر سادگی کا یہ عالم ہے کہ مجھ سے تصدیق چاہتے ہیں ایک ساتھی کا سوال تھا کہ میں غیر ملک میں مقیم ہوں علالت کے باعث ملازمت نہیں کر سکتا' اب صحت

بہتر ہوئی ہے تو ایک سٹور پر ملازمت مل رہی ہے اور یہاں کھانے پینے کے تمام سٹوروں پر خنزیر اور شراب بکتی ہے تو میری مجبوری ہے کیا میں یہاں ملازمت کرلوں؟ میں نے جواب دیا ہے اپنے کندھے پر بندوق رکھ کر فائر کرو میرے کندھے کے ساتھ کیوں لگاتے ہو تم نے کیا بچپن سے لیکر آج تک یہ نہیں سُنا کہ خنزیر کا کاروبار حرام ہے' شراب کا کاروبار حرام ہے اگر تم یہ نہیں جانتے تو مجھ سے پوچھو میں بتاتا ہوں کہ یہ حرام ہے اور اگر اس کے حلال ہونے کا فتویٰ لینا چاہتے ہو تو یہ فتویٰ دینا دین فروشی ہے حرام ہے۔ یہ ساتھیوں کا حال ہے وہ حرام کام کرنا چاہتا ہے اور چاہتا یہ ہے کہ وہ گناہ میرے ذمے پڑے۔ مغرب میں حرام چیزوں کے کاروبار کا رواج عام ہے لوگوں کا عمومی رویہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے شراب خانے کھول رکھے ہیں۔ مسلمان شراب بیچتے ہیں لیکن پلاتے نہیں بوتل کیساتھ ایک ہینڈل اور ٹونٹی لگی ہوتی ہے کہتے ہیں خود کھول کر گلاس بھر کر پی لو کھول کر بوتل نہیں دیتے بند بوتل بیچ دیتے ہیں اُن سے پوچھو کہ یہ دین کے ساتھ کیا مذاق ہے وہ کہتے ہیں ہمارے حضرت صاحب نے فرمایا تھا کھول کر بیچنا حرام ہے بند بوتل بیچ سکتے ہو بوتل میں کیا ہے اس کے تم ذمہ دار نہیں ہو بیچتے رہو۔ جن حضرات نے یہ فتویٰ دیا وہ زندہ ہیں پاکستان میں موجود ہیں نیکی اور پارسائی کے مدعی معروف ہیں اور اس سب کاروبار میں سے اُن کو حصہ بھی ملتا رہتا ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اگر وہاں حلال میسر نہیں تو پھر یہاں دال روٹی کھالو وہاں کیا لینے جاتے ہو اگر وہاں حلال نہیں ملتا تو سپین میں رہنے کی کیا مجبوری ہے یہاں مزدوری کرلو۔ ہم بھی انسان ہیں جاپان سے امریکہ تک چین سے افریقہ تک ساری دنیا پھرے ہیں لیکن واپس یہیں بیٹھے ہیں ساگ لسی سے روٹی کھاتے ہیں ہم بھی کسی ملک میں بیٹھ جاتے تو شاید زیادہ پیسہ بن جاتا ہے لیکن حرام لے کر کیا کرتے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ اگر اللہ نے ہمیں ان کیفیات کا کوئی ذرہ نصیب کیا ہے تو اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے کہ دوسروں کو بھی حق کا راستہ دکھایا جائے روشنی ہو ایک راستہ بنے خود بھی جادہ حق پر چلیں دوسروں کے لئے بھی آسانی ہو۔ لیکن ہم میں سے اکثریت ساری زندگی اپنے لئے دعائیں ہی کرواتے رہتے ہیں کہ مجھ سے سحری میں اٹھا نہیں جاتا دعا کردیں ذکر چھوٹ جاتا ہے' وسوسے آتے ہیں دعا کردیں کمال ہے خود اپنے آپ کو نہیں سنبھالا جا رہا ہر جگہ سے سوچ ڈھیلا ہو جاتا ہے تو روشنی کہاں سے آئے گی۔ تو برکات نبوت سے حصہ پانے کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسروں کے لئے راہ حق کو واضح کرنے کا سبب بنا جائے دنیوی ظلمتیں' کفر و شرک بُرائی و بدکاری راہ حق کو الجھا نہ دیں کہ عام مسلمانوں کے لئے کوئی راستہ نہ رہے۔

رہنمائی کا کام علماء کا تھا آج وہ زمانہ ہے کہ علماء خود آپس میں الجھ رہے ہیں ہمیں کوئی متفقہ راستہ نہیں دکھاتے جس پر سب علماء راضی ہو کر چلیں۔ بات آیت قرآن حکیم کی ہوتی ہے مفاہیم سب اپنے اپنے بیان کرتے ہیں۔ ملک کے ایک بڑے نامور عالم فرما رہے تھے بدعت کوئی گناہ نہیں ہے اور دلیل قرآن حکیم کی اس آیت سے دے رہے تھے بدیع السمٰوت والارض۔ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو جب وہ نہیں تھے شروع سے بنایا تو سب سے بڑی بدعت تو اللہ نے کی (معاذ اللہ) تو کیا بدعت کرنا گناہ ہے؟ قرآن حکیم کے ساتھ اس طرح کا مذاق کرنا معنی بدلنا کتنی بڑی گستاخی ہے۔ بدعت کا لغوی معنی اور ہے اور بدعت کا اصطلاحی معنی اور ہے ہر نئے کام کو بدعت کہتے ہیں۔ جب آسمان وزمین نہیں تھے تو اللہ نے ان کو وجود دیا بدیع بدعت کا مادہ ہے یعنی پہلی دفعہ بنانے والا' پیدا کرنے والا اور اصطلاح شریعت میں جسے بدعت کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو کام حضور ﷺ نے کرنے کا حکم نہیں دیا یا آپ ﷺ کی تعلیمات میں نہیں ہے

جیسے حضور ﷺ نے باعث ثواب نہیں فرمایا خواہ وہ کام مباح ہی ہو اُسے دین کالازمی حصہ بنا دینا بدعت ہے۔ مثلاً ہم عادتاً چائے پیتے ہیں یہ جائز کام ہے کھانے پینے پر حلال کی پابندی ہے آپ ﷺ کے زمانے میں چائے نہیں پیتے تھے۔اب پیتے ہیں اگر اسی عمل کو دین کا حصہ بنا دیا تو یہی عمل بدعت بن جائے گا۔ یعنی اسی عمل کو عبادت سمجھا تو یہی بات اصطلاح شریعت میں بدعت کہلائے گی' چائے پینے کو حضور ﷺ نے تو باعث ثواب نہیں فرمایا اگر کوئی اسے عبادت سمجھ کر کرے تو یہی بدعت بن جائے گی۔

جو لوگ قرآن حکیم کا مذاق اڑاتے ہیں بدعات ورسومات کو رواج دینے کے لئے آیات قرآنی کا مفہوم بدلتے ہیں انہیں ان کاموں پر مال ودولت ملتی ہے سال میں چھ سات مرتبہ وہ معراج پر اجتماع کرتے ہیں کبھی چھوٹی گیارہویں شریف کبھی بڑی گیارہویں شریف کے ذریعے لوگوں کو جمع کرتے ہیں چادریں بچھادی جاتی ہیں نوٹ گننے کی ضرورت نہیں رہتی شام کو بوریاں بھر کرلے جاتے ہیں اس کام کے لئے یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے علماء کے ذمے تھا ان لوگوں نے ہی راستہ دکھانا تھا وہ بھی اس راستے پر تاریکیاں پھیلا رہے ہیں تو یہ سبب ہے کہ اللہ کریم نے مجھ جیسے آپ جیسے لوگوں کو معرفت الٰہی کی، محبت نبی ﷺ کی یہ نعمت عطا کی تاکہ ہم اسے اپنے آپ پر اس طرح لاگو کرلیں کہ ہم چلتے پھرتے دین کا نمونہ بن جائیں ہمارے ملنے جلنے' اٹھنے بیٹھنے سے رہنمائی مل سکے۔ بات یہ ہے کہ عمل کرنے کے لئے جاننا شرط ہے علم شرط ہے۔ علما حضرات نے محنتیں فرمائیں حضرتؒ کی تصنیفات موجود ہیں دلائل دیتے ہوئے وضاحتیں فرمائی ہیں تو میری گزارش یہ ہے کہ ان کا مطالعہ کریں المرشد کا ایک صفحہ ہی روزانہ پڑھ لیں۔ ساتھی زور زبردستی کر کے المرشد لگوا دیتے ہیں لیکن پڑھا کم ہی جاتا ہے۔ میں لوگوں کو براہ راست نہیں ٹوکتا اُن کی اصلاح کے لئے دارالعرفان میں بیان کرتا ہوں مخصوص موضوع زیر بحث لائے جاتے ہیں اور میں دیکھتا رہتا ہوں کہ جن کی خاطر میں نے اس موضوع پر بات کی جس پر انہیں ٹھوکر لگ رہی تھی یا وہ کسی غلطی میں مبتلا ہیں اور اس طرح میں انکی اصلاح کی کوشش کرتا ہوں تو وہ لوگ تب مسجد آتے ہیں جب نماز کھڑی ہو جاتی ہے۔ ان کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ وہ تو سب کچھ جانتے ہیں انہیں سننے کی کیا ضرورت ہے یعنی جنکی خاطر سارا اہتمام کیا جاتا ہے وہی وضو فرما رہے ہوتے ہیں اور پھر دیکھتے دیکھتے وہ منظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔

میری نماز جنازہ پڑھائی غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

ہر ساتھی کے لئے ضروری ہے کہ ان تصنیفات کا مطالعہ کرے المرشد باقاعدگی سے پڑھے اس کے مضامین پر غور کرے چیزیں خود بخود واضح ہوتی جائیں گی۔ پتہ چلتا جائے گا۔ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں کہ کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ۔ کہاں ہم اور کہاں منازل عرش کی باتیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ہم پہلوں سے زیادہ بڑے عالم ہیں یا اُن سے زیادہ نیک ہیں یا ہم نے اُن سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں یہ اس عہد کی ضرورت ہے اس دور میں ظلمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ اللہ نے دوسری طرف روشنیاں بڑھا دی ہیں لیکن اب جنکو اللہ نے یہ انعام عطا فرمایا ہے ان کی ضرورت ہے کہ پہلے تو اپنے یقین کو پختہ کریں اپنی تاریں مضبوط کریں تاریں ہی شارٹ ہوتی رہیں تو روشنی کیا ہوگی۔ میدان عمل میں اس یقین سے نکلیں کہ کسی کی اصلاح ہو۔ کسی کی اصلاح نہ بھی ہوئی تو آپ کو وہ یقین میسر رہے گا کہ ایمان کبھی متزلزل نہ ہو سکے۔

سوال:- شروع میں ذکر میں توجہ زیادہ تھی وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو گئی

اسے کیسے بہتر کیا جائے؟

جواب :- یہ انسانی مزاج ہے کہ جب وہ کسی نئی بات یا چیز کے بارے سنتا ہے تو فطرتاً اس میں تجسس پیدا ہوتا ہے وہ اُسے سمجھنا چاہتا ہے' جاننا چاہتا ہے جب تک تجسس رہتا ہے اُسے سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جب تجسس ختم ہو جائے تو اسکی طرف توجہ بھی کم ہونے لگتی ہے یہ صرف ذکر میں ہی نہیں دنیا کے باقی معاملات میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے لوگوں کے پاس کوئی نیا موبائل فون' نیا ٹی وی سیٹ' کمپیوٹر یا نئی قسم کی گاڑی آ جائے تو انہیں بڑا تجسس ہوتا ہے لیکن جب وہ چیز مل جائے خرید لیں یا حاصل کر لیں وہاں اسکی جستجو تجسس اور اہمیت ختم ہو جاتی ہے اسی طرح جو لوگ تصوف اور ذکر کو بھی ایک عجیب بات سمجھ کر آتے ہیں کہ چلیں دیکھیں یہ کیا ہے انہیں ایک حد تک اس سے آشنائی ہو جاتی ہے اور انکے تجسس کی تشفی ہو جاتی ہے تو پھر انہیں ذوق طلب نہیں رہتا پھر ایک روٹین رہ جاتی ہے جب مل لیا ذکر کر لیا نہ ملے تو نہ سہی جہاں تجسس ہو وہاں یہ صورت حال پیدا ہوتی ہے۔

اس طرح جو لوگ طلب الٰہی میں آتے ہیں انکی طلب الٰہی زندہ ہو جاتی ہے اور اسکی کوئی انتہا نہیں اور یہ کبھی ختم نہیں ہوتی' لہٰذا اُن کے ذوق طلب میں ترقی ہوتی رہتی ہے جتنی وہ نعمت نصیب ہوتی ہے اتنا ہی آگے جانے کا ذوق جوان رہتا ہے یہ اُن افراد کی بات ہے جنہیں طلب الٰہی کھینچ کر شیخ کے پاس لاتی ہے اور جہاں طلب ہوتی ہے وہاں تجسس والی صورت حال پیدا نہیں ہوتی۔ ذاتی تجربے کی بات کریں تو الحمدللہ ربع صدی حضرتؒ کی خدمت میں حاضری نصیب رہی۔ حضرتؒ کے ساتھ ملاقات عین جوانی کے ایام میں ہوئی جوانی کا زمانہ مستقل فیصلوں کا وقت نہیں ہوتا اور عرصہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ مزاج بدلتا رہتا ہے سوچیں بدلتی رہتی ہیں لیکن وہ چوٹ جو پہلی ملاقات میں دل پر پڑی تھی اللہ کریم کے احسان سے وہ آج بھی زندہ ہے۔ جب کبھی بھی حضرتؒ سے ملے ایک ہفتہ گزر جاتا تھا تو طبیعت پریشان ہو جاتی تھی جس طرح بھوک یا پیاس لگتی ہے اسی طرح سے ملاقات کو دل چاہتا تھا اور جب ملاقات ہو جاتی خدمت میں حاضر ہو جاتے تو یوں لگتا کسی بھوکے کو جیسے کھانا مل جائے یا کسی پیاسے کو پانی مل جائے طبیعت یوں سیر ہو جاتی تھی آنے کے بعد بمشکل ہفتہ نہ گزرتا تھا کہ پھر چل پڑتے تھے حالانکہ اس وقت آج کل کی طرح سواریاں نہیں تھیں نہ ہی ہمارے پاس اپنی گاڑیاں تھیں۔ پہنچنے میں تقریباً سارا دن گزر جاتا تھا عموماً صبح ناشتے کے بعد نکلتے اور عصر کے وقت وہاں پہنچتے تھے پھر اگلی صبح کو وہاں سے نکلتے تو عصر تک واپس پہنچتے اس طرح ایک رات کا کبھی دو رات کا قیام مل جاتا تھا اللہ نے ذکر بھی نصیب فرمایا مراقبات بھی عطا فرمائے لیکن ملاقات کی طلب' پاس بیٹھنے کی کیفیات کا لطف بڑھتا ہی رہا' حضرتؒ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی۔ اب بھی بھوک لگتی ہے اب بھی دل چاہتا ہے قبر مبارک کے پاس بیٹھنے سے ایک گونہ تسلی ہو جاتی ہے واپس آتے ہیں پھر شروع ہو جاتی ہے تو یہ ایک تعلق ہے جس کی بنیاد طلب الٰہی پر ہے اگر وہ تعلق بن جائے تو پھر کمی نہیں آتی اور اگر تجسس کی حد تک رہیں تو کمی آنا شروع ہو جاتی ہے اس لئے بندے کو یہ خود دیکھنا چاہیے کہ اس کے دل میں طلب الٰہی ہے یا محض تجسس۔ جس طرح تجسس ہو تو سوال کیا جاتا ہے سوال کا جواب مل جائے تو اسکی اہمیت ختم ہو جاتی ہے جب تک سوال کا جواب نہیں ملتا بندہ سو بھی نہیں سکتا اس کا جواب مل جائے تو اطمینان آ جاتا ہے اس لئے جہاں تجسس ہو گا وہاں اس کا جواب مل جانے کے بعد اس میں کمی آ جائے گی اور جہاں طلب پیدا ہو گی وہاں کمی نہیں آئے گی جوں جوں سفر آگے بڑھے گا توں توں طلب بڑھتی جائے گی۔

سوال :- جب عرشی منازل شروع ہو جائیں تو روح اپنے سبق پر توجہ کے وقت ترقی کرتی ہے یا ہر لمحے ترقی ہوتی رہتی ہے اسکی وضاحت کی درخواست ہے اور یہ کہ کس طرح زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔ ترقی کا انحصار اتباع شریعت پر ہے اگر ایک آدمی کا روبار حیات چھوڑ دے دنیا سے الگ ہو جائے گوشہ نشین ہو جائے اور رات دن متوجہ الی اللہ رہے تو ترقی نہیں ہوتی۔ روح جہاں ہے وہیں رہے گی اس میں روشنی بڑھتی رہے گی انوارات بڑھتے رہیں گے طاقت بڑھتی رہے گی لیکن ترقی نہیں ہوگی اس لئے کہ ترقی کا انحصار اتباع شریعت پر ہے ورنہ انبیاء اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے جنہیں وحی الٰہی نصیب ہوئی مکالمہ الٰہی عطا ہوا وہ اسے لیکر گوشہ نشین ہو جاتے کسی سے بات ہی نہ کرتے ان کا ہر لحہ قرب الٰہی میں بسر ہوتا رہتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آدمؑ سے لیکر حضور آقائے نامدار ﷺ تک ان کا ہر لحہ احکام الٰہی کی تعمیل میں بسر ہوتا ہے احکام الٰہی بندوں تک پہنچانے میں بسر ہوتا ہے۔ اگر تھوڑی سی توجہ قرآن حکیم پر کی جائے اس وقت کے معاشرے کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کس طرح اور کتنی جرات سے اور پوری قوت سے اس بے دینی کا ردفرمایا۔

اس وقت کی دنیا کے حکمرانوں نے بادشاہوں نے' امراء نے سب طاقتوروں نے اپنی اپنی رسومات بنا رکھی تھیں اور انکو قائم رکھنے کے لئے جان دینے پر تلے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اقوام عالم کی' طاقتور حکمرانوں کی' دولت مند بادشاہوں کی مشرکانہ عبادتیں ایک ہی جملے میں ڈھا دیں۔ لا الہ الا اللہ پھر ان پر تفصیل سے بحث کی کہ کس طرح یہ باطل ہیں اور توحید باری کس طرح انسانیت کی ضرورت ہے اُس عہد میں یہ سب کہنا صرف رسول اللہ ﷺ کو زیب دیتا ہے صرف اللہ کے نبی ﷺ ہی کو وہ جرات حاصل تھی کہ اہل مکہ کی قوت انکے جور و ستم کو خاطر میں نہ لائے' مسلمانوں کی دنیاوی اعتبار سے کم مائیگی قلت تعداد اسباب و وسائل کی کمزوری کے باوجود انکے مشرکانہ فلسفے کو نبی کریم ﷺ نے نہایت جرات و قوت سے سرعام ردفرمایا۔

یہ ہے روحانی ترقی کا راستہ کہ عملی زندگی میں کفر و شرک اور بے دینی کا رد کیا جائے اور توحید باری اور اطاعت پیغمبر ﷺ کو نہ صرف قول سے بلکہ عمل سے ثابت کیا جائے۔ تعامل صحابہ تعامل اہل اللہ' تعامل امت سے یہی بات ثابت ہے کہ جتنا آپ اپنی زندگیوں کو شریعت کے مطابق ڈھالیں گے ذاتی طور پر شریعت پر عمل پیرا ہوں گے دوسروں کے لئے نمونہ بنیں گے دوسروں کو پیار' محبت اور شفقت سے شریعت کی تعلیم دیں گے اتنی روحانی ترقی نصیب ہوگی پھر جب مراقبات کریں گے تو روح کو قوت پرواز بھی ملے گی تو مراقبات کرنا اور عملی زندگی میں اتباع شریعت یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔

اب زمانہ بدل چکا ہے اور ہمارے تعلیمی نظام میں اتنی تبدیلی آئی ہے کہ مسلمانوں کے ذہن پروپیگنڈے سے متاثر ہو چکے ہیں ہمارے ایک قابل احترام ریٹائرڈ فوجی جرنیل صاحب ٹی وی پر کہہ رہے تھے کہ اسلام کا عملی نفاذ صرف تیس پینتیس برس ہی رہا' نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں یا خلافت راشدہ میں اس کے بعد عملاً دین کا نفاذ کہیں ہوا ہی نہیں۔ اس سوچ رکھنے میں قصور اُن کا نہیں بلکہ جن اداروں سے انہوں نے تعلیم حاصل کی پیشہ وارانہ مہارت کے کورسز کیے وہاں انہیں یہی سکھایا گیا۔ گویا عمر بن عبدالعزیزؒ پھر برصغیر کے محمود غزنویؒ اورنگ زیب عالمگیرؒ سلطان التمشؒ اور سلطان ٹیپو شہید ان میں سے کسی نے اسلام نافذ نہیں کیا۔ مغربی مورخین نے ان نابغہ

روزگار ہستیوں کے حالات مسخ کر کے پیش کیئے ہیں لیکن ان کی سوانح پر حقیقی نظر ڈالی جائے تو ایسے ایسے لطیف واقعات ملتے ہیں اور انکی اسلام اور اللہ کے لئے محبت کی وہ مثالیں ملتی ہیں کہ جن کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔

اس کے علاوہ عوام الناس تو ہمیشہ سے اسلام پر عمل کرتے رہے ہیں چونکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ایک خاص درجے پر ہی رہتے ہیں انہیں عام آدمی کے بارے حقیقی معلومات نہیں ہوتیں انہیں یہ خبر نہیں کہ عام آدمی غریب دیہاتی آج بھی اسلام پر زندگی بسر کر رہا ہے اس پر جان دے رہا ہے اُسے کسی حکومتی آرڈر کا انتظار نہیں وہ ازخود اسلام پر عمل پیرا ہے ان دیہاتوں جنگلوں میں کوئی کسی خاتون کیساتھ بغیر نکاح کے تعلق رکھ کر دکھائے یہاں کا معاشرہ سرعام ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہاں بھی لوگ سود کھاتے ہیں لیکن کسی میں یہ جرات نہیں کہ وہ میدان میں کھڑا ہو کر کہہ سکے کہ وہ سود لیتا ہے۔ جس سے پوچھو وہ قسمیں کھا کر کہے گا کہ وہ سود نہیں لیتا۔ کیوں؟ اس پر معاشرے کا دباؤ ہے حکومت کی طرف سے تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے لوگ خود خلاف اسلام رہنا پسند نہیں کرتے۔ پاکستان میں نفاذ اسلام سے مراد یہ نہیں ہے کہ عام آدمی اسلام پر عمل نہیں کرتا اس سے عمل کرایا جائے۔ وہ تو اسلام کو جانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں ان کا معاشرہ بھی انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ نفاذ اسلام سے صرف یہ مراد ہے کہ حکومت اور عوام کے تعلقات پر اسلامی رنگ آجائے یہ شعبہ اسلامائز کیا جائے اور حکومت اور عوام کا رشتہ شریعت کے مطابق ہو جائے۔ پاکستان کا دو یا چار فیصد وہ طبقہ ہے جس کے پاس سارے حکومتی وسائل ہیں اور جو عیاشی میں مبتلا ہے، اُسے چھوڑ دیں تو چھیانوے یا اٹھانوے فیصد افراد پر مشتمل وہ طبقہ ہے جس پر صرف حکومت کی جاسکتی ہے جس کی حکومت میں کوئی مداخلت نہیں اور ان کو اسلام سکھانے کی یا اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے آمادہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں حالانکہ ٹی وی پر دانشور ہمیشہ یہی فرماتے ہیں کہ عام آدمی خود ہی اسلام پر عمل نہیں کرتے تو حکومت کیا کر سکتی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ تشریح ہی غلط ہے۔ اگر اس وقت حکومت مسلمانوں کی ہے اور حکومت مسلمان ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ جو کلمہ پڑھتا ہے اس سے احکام اسلام پر عمل کروائے اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے کی ہر ایک کو آزادی ہے اسلام قبول کرنے والوں سے حکماً عمل کروانا حکومت کی ذمہ داری ہے ترک صلوۃ کی بھی سزا ہے قاضی کے پاس جائے گا اور یہ حکومت کو کرانا چاہیے۔ لیکن ہمارا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عام آدمی اسلام پر عمل نہیں کرتا بلکہ وہ تو اپنی زندگی کو کسی بھی دانشور سے بہتر طور پر اسلام کے مطابق گزار رہا ہے اُن کا مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ کسی تھانے جاتے ہیں' کارڈ بنوانے جاتے ہیں یا جب حکومتیں بنتی ہیں تو انہیں صرف استعمال کیا جاتا ہے اس لئے اصل مسئلہ یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے تعلقات شریعت کے مطابق ہوں تعامل امت اس پر دلیل ہے اور آپ کے لئے بھی روحانی ترقی کی یہی دلیل ہے۔ آپ اپنی زندگی کو جتنا شریعت کے سانچے میں ڈھالیں گے اور دوسروں کو جتنی ترغیب دیں گے اتنی ہی روحانی ترقی نصیب ہوگی اور اس کے ساتھ آپ مراقبات کریں گے اس طرح متوجہ ہوں گے تو روح کو قوت پرواز بھی ملے گی یعنی دونوں باتیں ضروری ہیں۔

جب آدمی شریعت پر عمل کرتا ہے اللہ اس کا عمل قبول کرتا ہے تو وہ نجات کا مستحق ہوتا ہے لیکن جب برکات نبوت کسی شیخ کی وساطت سے نصیب ہوں تو اُن میں بھی ترقی شریعت پر عمل کرنے سے ہی نصیب ہوتی ہے اور اگر عمل شریعت پر نہ ہو تو جو کچھ ہے اس کے

جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے یعنی یہ نظام پھر قائم ہی نہیں رہتا تو یہ دونوں باتیں ضروری ہیں کہ مقررہ اوقات یا زیادہ اوقات ذکر میں بھی صرف کرے متوجہ الی اللہ بھی رہے پھر لوگوں سے بھی ملے اور زندگی کو شریعت کے ڈھانچے میں ڈھالے اور اس کیساتھ جس حد تک ممکن ہو لوگوں کو اتباع شریعت پر لانے کی کوشش کرتا رہے۔

اہل اللہ کے حالات میں پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ترک سکونت کی اور دور دراز نکل گئے یہ کوئی ضروری نہیں تھا کہ آپ وہاں نہ جاتے تو اسلام وہاں نہ پھیلتا اصل بات یہ ہے کہ مقامی لوگ رہنے نہیں دیتے فائدہ کم حاصل کرتے ہیں اور اعتراضات اور تنقید زیادہ کرتے ہیں ساری زندگی خامیاں تلاش کرتے رہتے ہیں حالانکہ کس انسان میں خامیاں یا کمزوریاں نہیں ہوتیں اس لئے اہل اللہ ایسی جگہ جا کر رہتے ہیں جہاں اُن کی ذات سے واقف لوگ نہیں ہوتے وہ وہاں زیادہ دینی کام کر سکتے ہیں اور اکثر لوگ اُن سے استفادہ بھی زیادہ کرتے ہیں کیونکہ وہ معترض نہیں ہوتے۔ لیکن مقامی لوگ ہر وقت اسی جستجو میں رہتے ہیں کہ کیا اعتراض کریں۔ ایک اعتراض مجھ پر بھی کیا جاتا ہے کہ میں باہر آ کر بیٹھ جاتا ہوں جہاں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں معترض کو یہ اعتراض ہے کہ ان میں نیک و بند، چور بدمعاش، شیعہ، سنی سب ہی آتے ہیں تو یہ کیا طریقہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میاں! جتنی دیر وہ میرے پاس بیٹھتے ہیں کم از کم اتنی دیر وہ چوری نہیں کرتے، کسی کی غیبت نہیں کرتے، کسی کو گالی نہیں دیتے۔ یہاں سے کچھ اچھی بات ہی سن لیتے ہیں تو تم کیا چاہتے ہو کسی بندے کی زندگی میں کوئی لمحہ بھی ایسا نہ آئے کہ جب وہ گناہ نہ کر رہا ہو۔

انہی بیٹھنے والوں میں سے کوئی خوش بخت تائب ہو جاتا ہے کسی خوش نصیب کو ذکر نصیب ہو جاتا ہے۔ کتنے ایسے آتے ہیں جو کبھی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں آتے ہیں نماز کا وقت ہوتا ہے تو اٹھ کر نماز پڑھ آتے ہیں کوئی ایک آدمی نماز ہی انہیں نصیب ہو جاتی ہے کچھ پکے نمازی بن جاتے ہیں اور کچھ بھی نہ ہو تو جتنی دیر یہاں بیٹھتے ہیں تو کم از کم اتنے وقت کے لئے تو بُرائی سے بچ جاتے ہیں کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہو جاتا ہے۔ ساری اللہ کی مخلوق ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے ورنہ ہم کون سے فرشتے ہیں یا ہم کون سے فرشتے تھے۔ وہ بے نیاز ہے اپنے دروازے سے رد کر دے تو شاید اس سے بھی بدتر ہو جائیں تو کسی انسان سے نفرت نہیں بُرائی سے نفرت ہوتی ہے۔ ترقی کے لئے بنیاد ہے شریعت پر عمل اور اس کے ساتھ ذکر اور متوجہ الی اللہ رہنا۔

سوال:- آپ جب سالک کو بالائی منازل میں چلاتے ہیں تو اقربیت کے بعد چلاتے ہیں مجازین جب ذکر کراتے ہیں تو بالائی منازل کا مراقبہ مسجد نبوی کے بعد کراتے ہیں اس پر روشنی ڈالیئے

جواب :- گزارش یہ ہے کہ بالائی منازل کیلئے میں جو توجہ دیتا ہوں وہ اُن لوگوں کو دیتا ہوں جنکو نئے سرے سے کرائے جاتے ہیں بالائی منازل انہی لوگوں کو کرائے جاتے ہیں جنہیں سالک المجذوبی تک کے مراقبات میں رسوخ حاصل ہو جائے سالک المجذوبی کی آخری منزل تک انکے مراقبات راسخ ہو جائیں تو پھر پچھلے سارے منازل دہرانے کی ضرورت نہیں رہتی اس لئے ان لوگوں کو جن کو نئے منازل کرائے جاتے ہیں انہیں اقربیت سے سالک المجذوبی اور پھر اگلے منازل پر توجہ دے دی جاتی ہے ورنہ عمومی طور پر طریق کار یہ ہے کہ آپ سارے مراقبات کر کے مسجد نبوی سے فارغ ہو کر متوجہ ہو جائیں عالم بالا کیطرف اور جتنا وقت ہے وہ ان منازل پر لگا کر دعا کر لیں۔

مجازین چونکہ نئے مراقبات نہیں کرواتے کوئی بھی صاحب مجاز عرشی منازل میں نئے سرے سے توجہ نہیں دیتا جو توجہ ملتی ہے ان میں اپنے اسباق دہراتے رہتے ہیں اس لئے مجازین عموماً مراقبات پورے کرنے کے بعد مسجد نبویؐ سے فارغ ہو کر اس طرف متوجہ ہوتے ہیں اور میں صرف نئے دوستوں کو جن کو پہلی مرتبہ عرشی منازل کرانا مقصود ہوتا ہے ان کو اقربیت' سالک المجذوبی اور پھر وہاں سے آگے لے کر چلتا ہوں کہ ہم نے بزرگوں سے یہی طریقہ سیکھا ہے اور اسی پر عمل پیرا ہیں ۔ اگر پرانے ساتھیوں کو مراقبات دہرانے ہوں تو اس کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ جو میں نے بیان کر دیا اور یہ بھی صحیح ہے اگر وہ مراقبات کرتے جائیں اور منازل بالا کی طرف سے سیر کعبہ اور فنا فی الرسول پہ چلے جائیں کوئی حرج نہیں لیکن حضرتؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جنکے منازل پہلے سے ہیں نئے سرے سے توجہ نہیں دیتے تو انہیں عموماً مراقبات کروا کر سیر کعبہ' فنافی الرسول کے بعد جب ادھر سے فارغ ہوئے تو پھر ایک نظر منازل بالا پہ ڈال دی۔ مجازین اسی طریقے پر چلتے ہیں۔ اللہ کریم سب کی محنت و کوشش قبول فرمائے۔

یہ راستہ طلب سے طے ہوتا ہے' طلب کو زندہ رکھنا چاہیے' اسے زندہ رہنا چاہیے۔ طلب زندہ رہتی ہے ذوق طلب سے۔ تعلقات سے دل بھر نہ جائے' وہ ذوق طلب اور قرب الٰہی کے لئے جما رہے اور یہ رشتے بڑھتے رہیں تو توجہ میں کمی نہیں ہوتی اور ذوق طلب میں کمی آ جائے تو ظاہر ہے توجہ میں کمی آئے گی۔ اللہ کریم اس درد کو قائم رکھے ان رشتوں میں حیات باقی رکھے اور ان میں زیادتی فرماتا رہے۔ آمین

اللہ کریم توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

..............☆☆☆..............

نعتِ رسول مقبولؐ

مدینے کے راہی' مِری سُن کے جانا
مِرے مدنی آقاؐ کو جا کے بتانا
غمِ ہجر میں ہوں' میں بے تاب ایسے
تڑپتی ہے ماہیءِ بے آب جیسے
وہاں آنکھوں دیکھی' یہ دینا گواہی
کہ فُرقت ہے میرے لئے جان کاہی
چلیں قافلے جب' بھی سوئے مدینہ
انہیں دیکھ کر میرا جلتا ہے سینہ
بُلا لیں مجھے پاس اپنے خُدارا
غمِ ہجر میں ورنہ جاؤں گا مارا
میں اُن کی جدائی میں یُوں گُھل رہا ہوں
ہے بجھنے کو لو ٹمٹماتا دِیا ہوں
بُلایا نہ مُجھ کو اگر پاس اپنے
اُدھورے رہیں گے' مِرے سارے سپنے
غمِ ہجر کا روگ جِس کو لگا ہے
مئےِ وصل سے اُس نے پائی شِفا ہے
اویسی ترا دُکھ وہی جانتا ہے
جو فُرقت کی آتش میں خود جل رہا ہے

☆..............انجینئر عبدالرزاق اویسی

اسلام آسان ترین طرز حیات ہے

اسلام دین ہے۔ جو دستور حیات اسلام نے دیا یہ زندگی کو آسان کرتا ہے۔ ایک قاعدہ ہے کہ آپ دو نقطے ملانا چاہتے ہیں تو جتنی لائنیں کھینچیں گے، ساری لمبی ہوں گی، ٹیڑھی میڑھی ہوں گی لیکن جو لائن سب سے مختصر ہوگی، سیدھی بھی ہوگی، اسے خط مستقیم کہا جاتا ہے اسلامی طرز حیات خط مستقیم کی طرح ہے اس کے علاوہ جتنی تہذیبیں ہیں، ان میں ایچ پیچ اور تکلیفیں زیادہ ہیں لیکن زندگی کی آسانیاں کم ہیں۔ کسی کام کو کرنے کا جو بھی صحیح طریقہ ہوتا ہے، وہ ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔

ہر کہ دانا کند کند ناداں

لیک بعد از خرابی بسیار

یعنی جو کچھ بھی دانشور کرتا ہے، کرتا بے وقوف بھی وہی ہے لیکن وہ بڑی خرابی کے بعد کرتا ہے۔ بہت سی چیزیں ضائع کرنے کے بعد وہ کام کرتا ہے جو دانا شروع میں ہی کر لیتا ہے۔ دین اسلام یا طریق حیات جو رسول اللہ ﷺ نے دیا، یہ دانش ہے، دانائی ہے اس لئے قرآن نے اسے حکمت کہا ہے۔ ویعلمھم الکتب والحکمتہ کتاب تو قرآن کریم ہے اس کی جو تشریحات حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمائیں وہ حکمت ہے اور زندگی کا آسان ترین راستہ ہے اور خدانخواستہ جتنا ہم اسلام سے ہٹیں گے، اتنی ہمیں تکالیف ہوں گی، مشکلات آئیں گی، پریشانیاں ہوں گی پھر دوسری مزے کی بات یہ ہے کہ اسلامی طرز حیات محض دستور حیات نہیں، یہ دین ہے۔

ماخوذ از اکرم التفاسیر جلد دوئم صفحہ 282

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پُل کوریاں، سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2667571-2

ڈی این اے... تخلیق الٰہی کا کرشمہ

انجم اقبال

ڈی این اے کی معلومات تک پہنچنا سائنس کی تاریخ کا بڑا اہم سنگ میل ہے۔ مادے پر مبنی کائنات کی تعبیر جو جدید دور کا بڑا اہم حصہ بن گئی تھی، اب جدید دور کے بعد، مابعد الجدید یا Post Modern دور میں خود سائنس کے ذریعے اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ انجام کار وہ سائنس جو خدا کی منکر ہوگئی تھی اب خدا کا اقرار کیا چاہتی ہے۔ دنیائے سائنس نے مان لیا ہے کہ چارلس ڈارون کے تصور ارتقا نے انسانیت کے ۱۵۰ سال خراب کئے ہیں اس تصور کے تحت بے جان ایٹموں نے کسی مبہم طریقے سے اپنے آپ کو اس طرح استوار کرلیا کہ وقت گزرتے یہ ایٹم زندگی کی متعدد قسموں کو اختیار کرتے گئے اور جان دار شکلیں دھارتے گئے اور آخر کار بندر کی شکل سے گزرتے ہوئے انسان کے وجود کا باعث ہوگئے۔ قدیم ترین تہذیبوں 'یونان میں سقراط سے پہلے اور مصر اور بابی لون میں بھی انسانوں کی زندگی کو تغیر پذیر توہم پرستانہ منزلوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ ڈی این اے کی تفصیل بتائی جائے کہ اس دریافت نے کس طرح خدا کے قریب ہونے کا راستہ ہموار کیا ہے ہم یہ بتاتے چلیں کہ ۱۹ ویں صدی میں تین بڑی طاقت اور آوازیں گونجتی رہی ہیں جس میں سے ہر آواز کے لاکھوں پیروکار پیدا ہوئے ان میں ایک آواز کارل مارکس کی تھی جس نے تمام دنیا کے محنت کشوں اور کاری گروں کو یکجہتی کا پیغام دیا۔

اس کے تصورات اتنے جامع قرار پائے کہ تاریخ معاشیات و مالیات' سیاست اور معاشرے کے مکمل احاطے کے ساتھ' علم و دانش کی بے اندازہ شقوں کو متاثر کر گئے۔ یہ انقلاب برپا کرنے اور اپنی دنیا آپ تبدیل کرنے والے خیالات تھے جو اپنی ابتدائی شکل میں ۱۹۴۸ء میں اشتراکی منشور کی شکل میں سامنے آئے۔ یہ مادہ پرست پس منظر میں صرف دولت کی تقسیم پر سماج کی تعمیر کا وہ خواب تھا جس کی تعبیر روس میں بڑے پیمانے پر آزمائی گئی روئے زمین پر اس تصور کے کروڑوں پیروکار پیدا ہوئے اور اس کی ہم نوائی میں زندگی کی تعبیر پھر سے کی جانے لگی خدا ناشناس علمی عنوانات' روشن خیالی' ترقی پسندی' آزاد خیالی' عورتوں کے حقوق جیسے سینکڑوں خوبصورت الفاظ تراشے گئے جو عام آدمی کو خوش کرنے اور ایک معیاری انصاف پسند دنیا بنانے کا ولولہ انگیز طوفان تھا جو بڑے بڑوں کو بہالے گیا۔ روس کے خاتمے کے ساتھ یہ اپنے انجام کو پہنچا۔ اس کے تمام ہم نوا اور پیروکار اپنے ملبوں میں واپس جانے کا راستے تلاش کرنے پر مجبور ہوگئے۔

دوسری آواز فرائڈ کی تھی جو ۱۸۸۲ء میں شعور اور تحت الشعور کی بحث کے ساتھ ابھری' اس نے تجربات سے ثابت کیا کہ بھولی ہوئی یادیں اور تجربات تحت الشعور میں محفوظ ہوجاتے ہیں اور ان کو واپس یاد دلایا جاسکتا ہے۔ ان تجربات کو کرنے کے لئے اس نے نفسیاتی تجزیے کا وہ تجرباتی طریقہ پیش کیا کہ رومانی دنیا کے انسانی ذہن کے لئے لامحدود وسعتوں تک ترقی کرسکنے کے امکانات وا کردیئے۔ یورپ' امریکہ اور دنیا بھر میں نفسیاتی تجزیے کی تجربہ گاہیں کھل گئیں۔ فرائڈ کی سب سے زیادہ مشہور تشریح اس کا "لبیڈو" نظریہ تھا جس کے لاتعداد ہم نوا اور بے اندازہ مخالفین بھی سارے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ "لبیڈو" نظریہ کے تحت انسان اپنی تمام نشوونما میں پیدا ہوتے ہیں ماں کا دودھ مانگنے کے وقت سے موت کی آخری ہچکی تک ایک جنسی تسکین کا متمنی رہتا ہے۔ جنسی لذت کی کمی اور زیادتی کے تجربات کے تحت ہی انسان کی تمام جسمانی' ذہنی' دماغی' عملی اور دانش مندی کی کارفرمائیاں وجود پاتی ہیں۔ اس نظریے کو انسان کے تمام اوامر زندگی پر محیط کرنے کی کوشش عالمی پیمانے پر کی گئی۔ یہ خود پسندی تھی یعنی وہ نفسی کیفیت جس میں انسان اپنی ہی ذات کو کامل اور خود اپنے ہی عشق ذات

میں محو رہنا کافی سمجھتا ہے اپنی جسمانی لذتوں کے پانے میں گم ہو جانے اور اسی کو مرکز حیات اور مقصد کائنات سمجھنے اور سمجھانے والوں کی ایسی شدید گونج تھی جو مختلف ناموں سے ۱۹ ویں صدی میں اٹھی اور پوری ۲۰ ویں صدی میں گونجتی رہی اور ۲۱ ویں صدی کے آتے آتے غلط اور بے بنیاد ثابت کردی گئی۔

تیسری آواز ڈارون کی تھی جس نے انسان کو بندر کا رشتے دار بتایا اور فلسفہ ارتقا کے دیوانے گھر گھر نظر آنے لگے۔

۲۰۰۰ء میں یہ ثابت ہوا کہ جب روشنی کی رفتار کو کئی گنا بڑھایا گیا تو اس تجربے کے دوران سائنس دان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس تجربے میں تاثیر اس کے سبب Cause سے پہلے ہوئی ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ کسی سبب سے پہلے اس کی تاثیر کا ہونا ممکن ہے۔ اب تک خیال تھا کہ کسی بھی اثر، انجام، نتیجہ یا حاصل کو پانا اس کے سبب، وجہ یا علت کے ہونے کے بعد ہی ممکن ہے۔ یہ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ کسی واقعے کی انتہا اس کی ابتدا سے پہلے بھی ممکن ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ واقعہ خود اپنے آپ میں ایک تخلیق Creation ہے یہ کسی دوسرے واقعے کا ردعمل نہیں ہے۔ اب تک جو کہا جاتا رہا ہے کہ ہر عمل کسی عمل کا ردعمل ہے یا یہ کہ There is reaction to every action یہ غلط ثابت ہوتا ہے ۲۵ جون ۲۰۰۰ء کو یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک قدیم چڑیا کا فوسل جو لاکھوں سال بعد دریافت ہوا وہ بھی چڑیا ہی تھا یعنی لاکھوں سال پہلے سے اب تک اس چڑیا میں کوئی ارتقا Evolution نہیں ہوا۔ آج کی چڑیا بھی بالکل وہی چڑیا ہے جو لاکھوں سال پہلے تھی ابھی ۲۰۰۱ء میں انسانی جینوم پراجیکٹ مکمل ہوا ہے جس میں زندگی کے حیاتیاتی میک اپ کا مکمل نقشہ تیار کیا گیا جو اس صدی کا بڑا سائنسی کارنامہ ہے اس پراجیکٹ کے نتیجے یہ بات اور واضح ہوگئی ہے کہ خدا کی تخلیق جو انسان کی شکل میں ودیعت کی گئی ہے وہ زندہ اشیاء میں سب سے عظیم تخلیق ہے ماہرین ارتقا کوشش کررہے ہیں کہ انسانی ''جین'' اور جانوروں کے ''جین'' میں مشابہت کی افواہ پھیلا کر کچھ مواد اپنے مطلب کا نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دانشوروں اور سائنس دانوں کی بڑی تعداد نظریہ تخلیق کی حامی ہوتی جارہی ہے جن کا یہ اعتراف ہے کہ دنیا کسی عظیم قوت کی قوت تخلیق سے وجود میں آئی ہے۔ بتدریج ترقی کے مراحل سے گزرتی ہوئی اپنی موجودہ حالت کو نہیں پہنچی ہے۔ آئندہ جو مختصر تفصیلات بیان ہوں گی ان کی روشنی میں آپ خود اندازہ لگاسکیں گے کہ خدا ناشناس سائنس اب اپنے اختتام کو پہنچنے والی ہے اور ۲۱ ویں صدی انسان کو اپنے کھوئے ہوئے خدا سے پھر ملادے گی۔

ڈی این اے زندگی کا کوڈ

ڈی این اے میں موجود فرمان الٰہی میں سائنس کی سمجھ میں آنے لگا تو سب سے پہلے یہ مانا جانے لگا کہ زندہ اشیاء ایسی مکمل اور پیچیدہ ترتیب و ترکیب کا مرکب ہیں کہ یہ حادثاتی طور پر کسی اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آسکتیں جب تک یہ کسی بڑے ماہر اور قادر طلق بنانیوالے کی کارگزاری نہ کہی جائے۔ اگر کسی مقام پر اینٹ، پتھر، گارا، مٹی، قالین، ایئر کنڈیشنر، ٹی وی اور ریفریجریٹر اور تمام رہائشی سامان موجود ہوا اور پھر اچانک ایک حادثاتی اتفاق واقعہ ایسا ہو جائے کہ یہ سب مل کر بادشاہ سلامت کا محل بن کر ابھر آئے۔ یہ جادو کی کہانی تو ہوسکتی ہے ایک سائنسی حقیقت کبھی نہیں ہوسکتی۔ اب ڈی این اے میں چھپے ہوئے تین بلین (3x10) یا تین ارب کیمیائی حروف کو (Decode) کرنا اور انسانی ڈی این سے میں موجود ۸۵ فیصد ڈاٹا صحیح ترتیب و سلسلے (Sequence) میں لانا ممکن ہوگا اتنا اہم اور کامیاب پراجیکٹ بھی اس کے لیڈر ڈاکٹر فرانسس کولنز کے بقول ابھی پہلا قدم ہے جو ڈی این اے میں چھپی معلومات حاصل کرنے کی طرف اٹھایا گیا ہے۔ معلومات کے اس ذخیرے کو حاصل کرنے میں اتنا زمانہ کیوں لگا اس سوال کا جواب ملے گا اگر ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ڈی این اے میں کسی نوعیت کی معلومات پوشیدہ ہیں۔

ڈین این اے کی دنیا

ڈی این اے ہمارے جسم کے ۱۰۰ ٹریلین (۱۰۱۴ یا ۱۰۰ کھرب) خلیوں میں سے ہر ایک خلیے کے مرکزے میں بڑی حفاظت سے موجود ہوتا ہے۔

ہر خلیے کا قطرہ دس مائی کرون ہوتا ہے۔ مائی کرون 10-6m کو کہتے ہیں گویا میٹر کا دس لاکھواں حصہ یا ملی میٹر کا ایک ہزارواں حصہ۔ اتنے چھوٹے خلیے کے درمیان ڈی این اے محفوظ ہوتا ہے اس ڈی این اے میں انسانی جسم کی ساخت اور بناوٹ کی تمام تر تفصیلات اتنی وسعت' گیرائی اور گہرائی کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں کہ اس کا وجود اللہ رب العزت کی صناعی کی اپنے آپ میں ایک مثال ہے اپنے سمجھنے کے لئے ان معلومات کو صرف سلسلہ ترتیب میں لاکر انسان پھولا نہیں سمارہا ہے۔ اس علم کو ایک عظیم الشان شعبہ علم سے وابستہ کر کے اس کو جینیات کا نام دیا گیا ہے۔ ۲۱ ویں صدی کی یہ علمی شق ابھی گھٹنوں پر چلنے کی عمر میں ہے۔ اس میدان میں ابھی اور نہ جانے کیا کیا انکشافات ہونے ہیں۔

ڈی این اے میں زندگی

آج مثلاً ۲۵ سال کی عمر میں اہم اپنا سراپا آئینے میں دیکھیں تو یہ بے داغ جسم' یہ حسین و پرکشش شکل وشباہت' یہ صحت وتندرستی' یہ علم و دانش سے آراستہ ذہن وعقل کس طور ترقی کرتے ہوئے اس حال کو پہنچیں گے' یہ علم ۲۵ سال اور ۹ ماہ پہلے اس ڈی این اے میں لکھ دیا گیا تھا جو ماں کے پیٹ میں سب سے پہلے بار آور شدہ بیضے کے خلیے کی شکل میں نمو پایا تھا۔ اتنا ہی نہیں ہماری لمبائی چوڑائی' وزن' ناک' نقشہ' چہرہ مہرہ' بالوں اور آنکھوں کا رنگ' جلد کی رنگت' خون کی قسم وغیرہ نطفہ ٹھہرنے سے شروع ہو کر موت تک روز بروز ماہ بہ ماہ' سال بہ سال تبدیلیوں کا حال ایک مکمل تسلسل کے ساتھ ڈی این اے میں موجود رہتا ہے۔ مثلاً اس میں لکھا رہتا ہے کہ کب کب خون کا دباؤ زیادہ ہوگا اور کب کم رہے گا۔ کب سر کا پہلا بال سفید ہوگا اور کب دور کی اور قریب کی نظر کمزور ہو جائے گی۔

انسانی خلیے میں ضخیم انسائی کلوپیڈیا

ہم معلومات کے ذخیروں کو انسائی کلوپیڈیا کی طرز پر جانتے ہیں۔ ڈی این اے میں پوشیدہ معلومات کا ذخیرہ کوئی معمولی ذخیرہ نہیں۔ ایک این ڈی این اے میں موجود معلومات کو اگر کتابی شکل میں منتقل کیا جائے تو یہ برطانوی انسائی کلوپیڈیا کے دس لاکھ صفحات پر مکمل ہوگا۔

ذرا تصور کریں کہ انسانی جسم کے ۱۰۰ ٹریلیں، خلیوں میں سے ہر خلیے کے مرکزے کے اندر ایک مالیکیول جس کا نام ڈی این اے ہے' ملتا ہے۔ اس کا سائز ایک ملی میٹر کا ایک ہزارواں حصہ ہے اور اس میں وہ معلومات درج ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے انسائی کلوپیڈیا بریٹانیکا سے ۴۰ گنا زیادہ ہیں جو اسی انسائی کلوپیڈیا جیسی ۹۲۰ جلدوں میں سما سکے گا جس میں متعدد معلومات کی پانچ بلین (5x19 9) قسمیں یا جزئیات Pieces محفوظ ہیں اگر ہر بار پڑھنے پر صرف ایک سیکنڈ صرف کیا جائے اور ۲۴ گھنٹے متواتر پڑھنے کا سلسلہ رہے تو اسے ایک بار پڑھنے کے لئے ۱۰۰ سال لگ جائیں گے۔ ۹۲۰ جلدوں کی ان کتابوں کو اگر ایک دوسرے کے اوپر سجایا جائے گا تو ۸۰ میٹر اونچا کتابوں کا مینار تیار ہو جائے گا۔ یہ سب معلومات اس ذرے میں سما دی گئی ہے جو پروٹین' چربی اور پانی کے چند مالیکیولوں سے مرکب ہے۔

جب جی تھامس نے لکھا تھا کہ ہماری زمین پر کل جاندار اشیاء ایک ہزار ملین ہیں ان تمام اشیاء کی معلومات ڈی این اے کی شکل میں جمع کی جائے تو چائے کے ایک چمچے میں آجائیں گی اور پھر بھی جگہ خالی رہے گی۔

خلیے میں دانائی

جسم انسانی کے سارے ۱۰۰ ٹریلیں خلیے عجب حکمت اور دانش مندی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ بظاہر بے جان ایٹموں کا مجموعہ ایک بے روح شے ہونا چاہیئے۔ ہم اگر تمام عناصر کے ایٹم جمع بھی کرلیں' ان کو کسی بھی ترتیب سے لگالیں مگر وہ دماغ' وہ سمجھ بوجھ اس ذخیرہ ایٹم سے حاصل نہیں کر سکتے جو کسی عمل کو سلیقے' سلسلے اور ترتیب کیساتھ انجام دینے کے لئے ضروری ہے جس طرح ہر عقل وسمجھ بوجھ والے کام کے لئے ضروری ہے کہ کسی دانش مند نے اس کام کو انجام دیا ہو' وہ کمپیوٹر ہو یا کوئی اور کام ہو اسی طرح ڈی این اے بھی اپنے بنانے والے سے عقل ودانش اور سمجھ بوجھ لے کر آیا ہے۔

ڈی این اے کی زبان اور قوت گویائی

ہماری زبان میں 'الف' سے 'ے' تک حروف تہجی ہیں۔ انگریزی زبان اے

سے زیڈ تک ۲۶ حروف سے بنتی ہے ڈی این اے کی زبان میں صرف چار حروف یعنی A,t,g,c [illegible] سے ایک ہے جو ''نیوکلیوٹائیڈس'' کہلاتے ہیں دسیوں لاکھ Bases ایک ڈین این اے میں قطار در قطار ایک بامعنی ترتیب اور سلسلے کی کڑی بنائے رکھتے ہیں اور یہ سب مل کر ایک ڈی این اے کا مالیکیول بناتے ہیں۔

G,T,A اور C میں سے کوئی بھی دو مل کر ایک اساسی جوڑا بناتے ہیں جسے اساسی جوڑا Bases Pair کہا جاتا ہے یہی اساسی جوڑے اوپر تلے جمع ہو کر جین بن جاتے ہیں ہر جین جو کسی مالیکیول ڈی این اے کا ایک حصہ ہوتا ہے انسانی جسم کے کسی نہ کسی حصے کے بارے میں معلومات محفوظ کیے ہوئے ہوتا ہے یہ اس جسمانی حصے کی نمایاں خصوصیات، وضع، قطع، ڈیل ڈول، ہیئت، خدوخال، صورت، شکل، حلیہ، رنگ وروپ جو کسی فرد خاص کی انفرادیت سے متعلق مفصل کیفیت کہی جاسکتی ہے، اس جین میں درج ہوتی ہے۔ اب انسان کی لاتعداد خصوصیات ہیں۔ یہ لمبائی ہو، آنکھوں کا رنگ ہو، ناک منہ کی ندرتیں ہوں یا کان بڑا یا چھوٹا ہو، یہ سب جین میں موجود پروگرام کے مطابق بنتے اور سنورتے جاتے ہیں اور جسم کا ہر ہر حصہ ''جین'' کے حکم کے مطابق پروان چڑھتا ہے۔

ایک انسانی خلیے کے ایک ڈین این اے میں دو لاکھ جین ہوتے ہیں۔ ہر جین مخصوص نیوکلیوٹائیڈس کے بالکل انفرادی سلسلہ ترتیب سے بنا ہوتا ہے اس نیوکلیوٹائیڈس کی تعداد اس پروٹین کی قسم پر منحصر ہوتی ہے جس سے یہ وجود پاتا ہے۔ پروٹین کی یہ تعداد 1000 سے ایک لاکھ ۸۶ ہزار تک ہو سکتی ہے اس جین میں جسم انسانی میں موجود دو لاکھ قسموں کی پروٹین کا کوڈ بھی چھپا ہوتا ہے اور وہ نظام بھی موجود رہتا ہے جس کے تحت یہ تمام پروٹین ضرورت کے مطابق جسم میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

خیال رہے کہ ایک جین بے چارہ ڈی این کا صرف ایک معمولی سا حصہ ہے۔ دو لاکھ جینز میں محفوظ معلومات یا کوڈ ڈی این اے میں موجود کل معلومات کا صرف تین فیصد ہوتی ہیں۔ ۹۷ فیصد دفتر علم ابھی ہماری بساط آگہی کے لئے پردہ راز میں ہے یا بات تو مان لی گئی ہے کہ یہ ۹۷ فیصد علم جس تک ابھی انسان کی رسائی ممکن نہیں ہوسکتی ہے، انسانی خلیے کی بقا اور ان مکانیات mechanisms سے متعلق جو انسانی جسم میں انتہائی پیچیدہ عوامل کے کنٹرول کا باعث ہوتے ہیں بڑی ناگزیر معلومات رکھتے ہیں صرف تین فیصد معلومات کا پتا ملنے پر عقل انسانی حیران ہے، دانش وفکر پر سکتہ طاری ہے، ابھی مزید ۹۷ فیصد پوشیدہ معلومات تک پہنچنا، ایک لمبا سفر ہے جو جاری ہے۔

جین خود بھی ''کروموسوم'' میں واقع ہوتے ہیں ہ۔ جنسی خلیے کے علاوہ ہر انسانی خلیئے میں ۴۶ کروموسوم ہوتے ہیں ہر کروموسوم ایک کتاب علم کی طرح ہے کہ ایک انسان کے متعلق تمام معلومات ۴۶ جلدوں کی کتابوں میں بند رہتی ہے، اور یہ سب بسیط معلومات کا وہ خزانہ ہے کہ جسے ورق کتاب پر لایا جائے تو برطانوی انسائی کلوپیڈیا کی ۹۲۰ جلدوں تک پھیل جائے۔

ہر انسان کے ڈی این اے میں حروف G,T,A اور C کا سلسلہ مختلف ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے انسان پیدا ہوچکے ہیں اور قیامت تک جو اسی طرح پیدا ہوتے رہیں گے، وہ تمام کے تمام ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ذرا سوچیں کہ ہر انسان کے تمام اعضا کا نام مختلف نہیں ہے، یعنی آنکھ، ناک، منہ، دل، گردہ وغیرہ سب کے پاس ہے۔ پھر بھی ہر شخص کچھ ایسے خاص انفرادی اور بڑے تفصیلی طریقے پر پیدا ہوا ہے کہ سب کے سب ایک خلیے کے تقسیم در تقسیم ہونے کے عمل سے پروان چڑھنے کے باوجود ایک ہی بنیادی بناوٹ رکھتے ہوئے۔ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ہمارے تمام اعضا ایک منصوبے کے تحت پروان چڑھے ہیں جو ہماری جین میں لکھا ہوا ہے سائنس دانوں نے جو خاکہ مکمل کیا ہے اس کے تحت جسم کے مختلف اعضا کو کنٹرول کرنے والی جین کی تعداد مختلف ہے مثلاً ہماری کھال کو جو جین کنٹرول کرتی ہیں ان کی تعداد ۲۵۵۹ ہے۔ اسی طرح دماغ کو ۲۹۹۳۰، آنتوں کو ۳۸۳۸، دماغی پٹھوں کو ۱۹۱۱ اور خون کے سیل کو ۲۲۹۲ جین کنٹرول کرتی ہیں۔

ڈین این اے کے حروص کا سلسلہ ترتیب انسانی بناوٹ کی تمام تر تفصیلات

طے کرتا ہے معمولی سے معمولی تفصیل بھی اس کے احاطے میں ہے صرف آنکھ ناک' چہرہ مہرہ اور ظاہری حسن و جمال ہی نہیں' ایک سیل بھی نصب ڈی این اے' انسانی جسم میں موجود ۲۰۶ ہڈیوں' ۲۰۰ پٹھوں اور ۱۰ ہزار auditory muscles کان سے متعلق پٹھے کے نیٹ ورک اور ۲۰ لاکھ optic nerves آنکھ سے متعلق اور ۱۰۰ بلین nerve cells اور تمام کے تمام ۱۰۰ ٹریلین خلیوں کا مکمل ڈیزائن اپنے اندر سمائے ہوئے ہوتا ہے۔

اس وسیع سمندر کا اندازہ لگائیے اور علم کی کائنات کی سب سے پیچیدہ مشین' آدمی' کے جسم و عقل اور فہم وادراک کے پروان چڑھنے کا علم حیرت انگیز طور پر ایک ڈی این اے میں قطار در قطار جمع کر دیا گیا ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ڈی این اے کے حروف کے سلسلہ میں ترتیب Sequence میں ذرا بھی نقص رہ جائے تو ممکن ہے آپ کی آنکھیں چہرے پر ہونے کے بجائے آپ کے گھٹنے پر نمودار ہو جائیں اور آپ کے ناک' کان' ہاتھ پاؤں' سر اور کمر اپنے موجودہ مقام سے ہٹ کر کسی بے ہنگم جگہ پر وارد ہو جائیں ڈی این اے کا یہ مکمل نظام آپ کے بے دماغ ڈیل ڈول اور ہر اعتبار سے مکمل انسان ہونے کا ضامن ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ ڈی این اے کا منظم سلسلہ کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہے یا ناگہانی واقعہ ہے تو کوئی کم عقل بھی یہ بات نہ مانے گا۔ اتفاقات کا امکان یا احتمال' ریاضی میں امکان کے حساب سے معلوم کیا جاتا ہے یہ وہ نسبت ہے جو کسی اغلب حالت کو جملہ ممکنہ حالات سے ہو' آج ریاضیات نے یہ بھی حساب لگا دیا ہے کہ محض اتفاق سے ایک ڈی این اے کے دو لاکھ جین میں سے کسی ایک جین کی بھی ترتیب اس مخصوص سلسلے سے ہموار ہو جانے کی نسبت صفر کے برابر ہے۔

''فرینک سالسبری''، جو خود ایک ارتقا کو ماننے والا سائنس دان ہے' کہتا ہے کہ ایک درمیانی درجے کے پروٹین میں ۳۰۰ کے قریب amino acids ہوتے ہیں اس کو کنٹرول کرنے والے ڈی این اے جین میں تقریباً ۱۰۰۰ نیوکلوٹائیڈ کی ایک کڑی ہوگی چونکہ ایک ڈی این اے کڑی میں چار قسم (A,T,G,C) کے نیوکلوٹائیڈ ہوتے ہیں اس لئے ۱۰۰ Link والی کڑیاں ۱۰۰۰^۴ قسموں کی ہوں گی۔ الجبرا کے ذریعے Logrithms کے استعمال سے ۱۰۰۰^۴' کا مطلب ہوا 10 200' یعنی دس کو دس سے 200 مرتبہ ضرب دینے سے ایک کے بعد ایک 600 صفر لگانے سے جو ہندسہ بنے گا یہ وہ عدد ہے جس کا صرف تصور کیا جا سکتا ہے۔

مزید وضاحت اس طرح کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ تمام ضروری نیوکلوٹائیڈ بھی کہیں موجود ہیں اور ان کو مجتمع کرنے والے تمام پیچیدہ مالیکیول اور خامرے بھی سب مہیا کر دیئے گئے ہیں تو ان نیوکلوٹائیڈ کا خاطر خواہ sequence میں ترتیب پا جانے کا امکان 10200 میں سے صرف ایک دفعہ کی ہے ناممکن کہیں تو کم ہے۔

فرانسس کرک کو ڈی این اے کی ریسرچ پر نوبل انعام سے نوازا گیا۔ یہ خود بڑا پکا حامی ارتقا تھا مگر کہتا تھا کہ ''ایک انصاف پسند انسان اس معلومات کی روشنی میں جواب تک ہمارے پاس ہے' صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ ایک خاص معنی میں' انسانی زندگی کی ابتدا اس وقت تو ایک کرشمہ ہی معلوم ہوتی ہے''۔

خیال رہے کہ بچوں میں Haemophilia Leukemia ڈی این اے کے کوڈ میں خرابی واقع ہو جانے سے ہوتا ہے کینسر کی تمام قسمیں اسی نازک توازن کے بگڑ جانے سے ہوتی ہیں۔ یہ خرابی کسی بھی ایک ڈی این اے کے کسی ایک اساسی جوڑے میں توازن نہ ہونے سے ہو جاتی ہے یہ خرابی A,T,G,C حروف میں مثلاً ایک بلین 618 ملین 457 ہزار اور 632 ویں اساسی جوڑوں میں ہو سکتی ہے اتنی کثیر تعداد میں اساسی جوڑے ہر خلیے میں ڈی این اے اور تمام ٹوٹتے بنتے اور تقسیم در تقسیم ہوتے خلیوں میں توازن برقرار رکھنے کا نظام بھی ڈی این اے کے کوڈ میں چھپا ہوتا ہے۔

ڈی این اے کا اپنی نقل بنانے کا عمل

ڈی این اے کے تحیر خیز دنیا میں اپنی ہی نقل یا خود ساختہ نقش ثانی بنانے کا عمل انتہائی تیزی سے جاری رہتا ہے' سب جانتے ہیں کہ انسانی جسم کی ابتدا ماں کے پیٹ میں ایک خلیے سے ہوتی ہے پھر یہ خلیہ تقسیم ہو جاتا ہے اور نئے خلیے

وجود میں آتے جاتے ہیں جو کہ ایک سے دو‘ دو سے چار‘ اور اسی طرح 4-8-16-32-24-128 کی نسبت سے تقسیم ہو کر جنم لیتے جاتے ہیں۔

خلیہ تقسیم ہو کر دوسرا خلیہ بناتا ہے اور ہر خلیے کو ایک ڈی این اے چاہیے اور ڈی این اے کڑی خلیے میں ایک ہی ہوتی ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہر تقسیم ہوتا ہوا خلیہ اپنا ہم شکل خود پیدا کرتا ہے ہر خلیہ ایک خاص سائز کا ہوتا ہے تقسیم ہو کر دوسرا خلیہ بنانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ خلیے میں شعور اور یہ ایقان کہاں سے آیا‘ خلیے کے ساتھ ساتھ ڈی این اے کی تقسیم کا خفیہ عمل بڑے دلچسپ طریقے پر ہوتا جاتا ہے۔

ڈی این اے کا مالیکیول جو شکل میں ایک چکر دار زینے کی طرح ہوتا ہے تقسیم ہو کر دو حصوں میں zip کی طرح کھل جاتا ہے۔ یہ دونوں طرف سے غائب ادھورے حصے اسی اطراف میں موجود مادہ سے اپنی انوکھی تکمیل کو پہنچتے ہیں اور ایک سے دوسرا ڈی این اے وجود میں آ جاتا ہے۔ تقسیم کے ہر دور میں خاص پروٹین اور خامرہ کسی ماہر روبوٹ کی طرح کام کرتے رہتے ہیں تمام تفصیل کا ذکر ممکن ہے مگر اس کے لئے بہت سے صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔

خامرے وہ کارندے ہیں جو ہر قدم پر یہ چیک کرتے ہیں کہ کوئی غلطی اگر ہو گئی ہے تو فوری طور پر اس کی اصلاح ہو جائے۔ ہر منٹ میں تین ہزار اساسی جوڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور نگرانی کرنے والے خامرے ضروری ترمیم‘ اصلاح اور ردوبدل بھی کرتے جاتے ہیں تاکہ نئے پیدا ہوئے ڈی این اے میں غلطی کا امکان نہ رہے۔ اس لئے ڈی این اے کے حکم سے مرمت کر سکنے والے زیادہ خامرے پیدا ہوتے ہیں گویا ڈی این اے میں خود اپنی حفاظت کا‘ اپنی افزائش نسل اور نسلوں کو محفوظ رکھنے اور برقرار رکھنے کا مکمل پروگرام کوڈ کیا ہوا ہوتا ہے۔

اب دیکھیئے کہ خلیہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے جاتے ہیں۔ آپ کے جسم میں جو خلیے چھ ماہ پہلے تھے ان میں سے آج ایک بھی باقی نہیں ہے۔ ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے‘ میرے سب خلیے مر چکے ہیں مگر میں زندہ ہوں اس لئے کہ ہر خلیے نے بروقت اپنا ہمزاد پیدا کرنے کا عمل مکمل کر لیا تھا۔ یہ عمل انتہائی مہارت سے مکمل ہوتا ہے کہ کسی غلطی کا امکان تین ملین اساسی جوڑوں میں سے صرف ایک میں ہو سکتا ہے اور یہ غلطی بھی بڑے اعلیٰ تکنیکی انداز میں سنوار دی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ خامرے جو پل پل ٹوٹتے بنتے بکھرتے اور سنوارتے ڈی این اے کو پیدا کرنے کی ذمہ داری نبھاتے ہیں وہ دراصل مختلف قسم کی پروٹین ہیں جن کے پیدا ہونے کی ترتیب اور سلسلہ بھی اسی ڈی این اے میں کوڈ کیا ہوا ہے اور اسی ڈی این اے کے حکم کے تابع ان کا نظام عمل چلتا ہے جس کی افزائش کی دیکھ بھال ان کو کرنی ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

فلسفہ ارتقا کہتا ہے کہ انسان درجہ بہ درجہ کچھ فائدہ مند اتفاقات کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ خامرے اور ڈی این اے کا بیک وقت وجود میں آتے جانا اور ان کا انوکھا تال میل کسی بڑے تخلیق کار کا کارنامہ ہے اور وہ ہستی اللہ کی ہے‘ دنیا بھر کے دانش ور یہ حقیقت جانتے جا رہے ہیں۔

سائنس کے پاس جواب نہیں ہے کہ ڈی این اے میں یہ معلومات کہاں سے آئیں‘ ہر زندہ شے‘ مچھلی‘ کیڑے مکوڑے‘ چرند و پرند اور انسان کے ڈی این اے مختلف کیوں ہوتے ہیں‘ خود ڈی این اے کا وجود اور ابتدا کیسے ہوئی اس عمل کو سمجھنے کے لئے آر این اے کی ایک علیحدہ دنیا کا پتا چلا کہ خامرے کو آر این اے چلاتا ہے وغیرہ وغیرہ

خلاصہ یہ کہ زندگی دینے والے عناصر در عناصر مالیکیول‘ خلیہ‘ ڈی این اے‘ آر این اے‘ خامروں اور ہزاروں پروٹین سب جمع کر لئے جائیں تو بھی زندگی نہیں ملتی۔ تھک ہار کر ماننا پڑتا ہے کہ زندگی صرف تخلیق کے ذریعے ممکن ہے اور یہ خالق Creator کون ہے؟

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں...... وہ اس کے علم میں سے کسی کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے...... وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔ البقرہ 2:155)

بشکریہ ماہنامہ الفرقان‘ لکھنو نومبر 2007ء

اس پوری کائنات میں انسان ایسی مخلوق ہے جو اللہ کریم کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان کے اس مختصر سے وجود میں اللہ کریم نے وہ خصوصیات رکھی ہیں' وہ متضاد اوصاف رکھے ہیں کہ یہ صرف اسی کا کام ہے اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ مٹی' پانی' آگ اور ہوا کو یکجا کر کے اس میں روح پھونکی اور یہ پانچ اجزا انسان کے اجزائے ترکیبی قرار دیئے۔

حکما اور اطباء کی نگاہ تو ان پانچ اجزا تک ہی پہنچی مگر اہل دل کا کہنا ہے کہ انسان کے اجزائے ترکیبی پانچ نہیں دس ہیں۔ چار اجزا تو مادی ہیں نفس ان کی آمیزش سے پیدا کیا اور پانچ دوسرے اجزا پانچ لطائف ہیں جو عالم امر کی چیز ہے۔ یہ ایک عجیب آمیزہ ہے کہ مادہ کی انتہائی ٹھوس چیز کے ساتھ عالم امر کی لطیف ترین شے کو اس طرح ملایا کہ انسان کو عالم امر اور عالم خلق دونوں کی نمائندگی کا شرف عطا فرمایا۔

کنز الطالبین

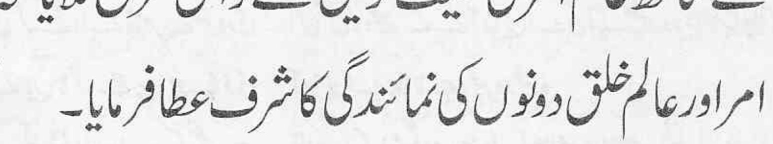

تعاون

احمد دین

ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز

آف پی سی یارن

پل کوریاں' سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2667571-2

Mushahidah is a great source of acquisition of knowledge. The Prophets[as] were blessed with Mushahidat; they neither attended any school, nor visited any teacher, while Rabb-e Kareem (the Gracious Lord) facilitated their acquisition of knowledge through Mushahidat. Mushahidah is not meant to be used for worldly aims, like identifying thieves. If someone tries to use Mushahidah for such purposes, it is withdrawn. Mushahidah is a favour from Allah, a great blessing from HIM! May Allah grant it to everyone! Its real utilization is to develop the ability to understand Divine Commands.

Q: 39 What effect can a talisman or a charm have on Rizq (Divine provisions), children, age and adversity? Can anyone decrease them with an evil spell?

A: 39 It is a matter of one's own belief. One may get an amulet for an increase in provisions and health, but at the same time, one should also arrange for medical treatment. An amulet and a 'blowing on' are prayers (D'ua) and a D'ua is related to actions. One should take appropriate action and also make D'ua to Allah for good results. Fate is of two types: fixed and suspended. The fixed fate has been decided and cannot be changed. Suspended fate is connected with a man's conduct; if he does this, he will get into this trouble, and if he does this, he will get this blessing. Now, it is for him to choose the path. An amulet and a 'blowing on' show their effects, by Allah's leave, with regards to the suspended fate only. Same is the case for protection against evil spirits. Magic spells and charms cannot affect fixed fate; however they affect the suspended fate in a way that they influence the human mind, driving a man to do things that bring him trouble. Remember one basic principle about magic and evil spells; they cannot influence a person, who is not afraid of them.

Q: 40 Is Darood Shareef also included in Zikr Allah or not?

A: 40 You talk of Darood Shareef, while every act that is performed in accordance with Sunnah is included in Zikr. There are three types of Zikr. Abiding by the religious injunctions is Practical Zikr. Recitation of Tasbeehat, Darood Shareef and the Holy Quran is Oral Zikr. Third is Zikr-e Qalbi (Zikr by the heart) like Pass Anfas, which has been adopted by our Silsilah.

Allah' Zikr in some form or the other.' Basically the contention is correct; belief in **Allah** is also a form of Zikr. All deeds within the framework of *Shari'ah* also constitute Zikr, but performing Zikr that gives a taste of acquaintance is something totally different. Spending one's life is one thing, but to enjoy the pleasures of life is something else. Reciting **Allah**'s Name every now and then is one thing, but the simultaneous vibration of billions of cells with **His** Zikr, that transform a human being into an ocean of Divine Refulgence is something absolutely different - it is an experience in itself! The one who tastes this does not differentiate between life and death, wealth and affluence lose their charm. The concept of union or separation loses its meaning and each moment of his life remains in the Divine Presence; every breath whispers a saga of Divine Greatness. This pleasure is known only to him who has tasted it- by Divine Grace.

So in my opinion, my brother, from what I have understood from the Book of **Allah**, the traditions of the holy Prophet-SAWS and the knowledge of a lifetime granted by **Allah**, life without Zikr is no life, it is only a pastime. The real taste and pleasure of life is in **Allah**'s Zikr. My suggestion, for the one who wants to know more, is that he should start performing Zikr himself. The Mashaikh have defined numerous ways of performing Zikr, and all of the methods that are not contradictory to the Shari'ah are permitted. Nevertheless, being permitted is one thing, the method that draws more lights, blessings and beneficence is another matter. When someone asks us, naturally we would talk about and teach him our method that we have adopted for a lifetime, but he may perform Zikr by any other method that he likes - performing Zikr is mandatory. However, no restriction has been laid on the method of Zikr either by **Allah** or by His holy Prophet-SAWS. Therefore, no one can impose any such restriction by one's own opinion. Learn it from any Shaikh, learn it from any 'man of God', but my earnest recommendation is that if you really want to enjoy life, you must learn **Allah**'s Zikr. You will be able to taste its pleasure once it gets absorbed into your being and you would also understand how tasteless life is without Zikr.

May **Allah** favour everybody to do **His** Zikr. May **He** illuminate our hearts, bosoms and bodies, and forgive us our mistakes and sins.

Questions and Answers

Q: 38 What is the ultimate outcome of Mushahidat (spiritual vision)?

A: 38 Mushahidat are the source of gaining access to further explanation and elucidation of Divine Commands. Observation of wondrous phenomenon is not their real purpose. Their real achievement is that, those phenomena, which cannot be understood by people even after extensive reading, can be comprehended easily (with greater detail) if they are viewed through Mushahidah. It is like teaching a person the theory of a machine for five years and then showing him the machine and its workings for just one day. His practical knowledge of a single day will be greater than his theoretical knowledge of five years.

travelled to Baghdad on foot, as no other means of transport were available then. There, he became a student of the grandson of Shaikh Abdul Qadir Jilani-RUA. He stayed there for many years, learnt **Allah**'s Zikr, initiated his Qalb and body with Zikr and finally returned after an arduous journey of an indefinite period. During that time there were no telephones, telexes or televisions, it was impossible to know where to find such a person. People would set out in their pursuit from village to village and if they found someone they would stay, else they would carry on to the next village and then the next. He went from here to Baghdad on foot and returned on foot - isn't it strange? But these people are somewhat different. He had built a small mosque near here and though centuries have passed by, nearby inhabitations have vanished and generations have gone by, nobody knows who had ever lived there, since there is no one to tell, yet the mosque still stands. Someone would just come and repair it. The mosque in which he remembered **Allah** is still there.

So my brother, Zikr is important for the reason that without Zikr, without constancy in Zikr, it is not easy to reform one's conduct and deeds. It is not easy to keep the Ruh alive and retain the spiritual qualities that make a human being humane and generate humanity. *You were enemies (of each other), and he (My Prophet) joined you hearts together.* - 3:103. We who beg door to door for a piece of bread and endure insults while seeking a livelihood; shouldn't we try to knock on a door where this Divine favour is available - the blessings of the holy Prophet Muhammad-SAWS? Shouldn't we look for someone who gives us **Allah**'s Zikr, suffusing us in the same way as water saturates each particle of a flowerbed? These blessings should not only illuminate the Qalb and the whole bosom, but also initiate **Allah**'s Zikr in every cell of the body, in every piece of flesh, skin and bones and in every drop of blood. If one gets to this level of Zikr, it is only then that he starts to understand the reality of human life and humanity. Vision is diverted towards the creation of the heavens and contemplation is stimulated. One starts recognising **Allah**, according to one's capacity, and feels like prostrating before *Him* and starts enjoying worship, one likes being in the Divine Presence and starts enjoying it. One feels like undertaking *Jihad* in **His** Cause and takes pleasure in getting his throat slit and his chest slashed. Such pleasure is the lot of a believer only and has shaken the Western world, they cannot understand why a Muslim sets out of his home only to die. It is strange. People join wars to capture booty, to get a salary and to earn money, for as the saying goes, 'It is better to die rich than a pauper.' But this army is strange, they say, 'Take everything from us, just let us fight and let us die, our goal is to die." What do they get in death? The West cannot understand this philosophy, because they don't believe in **Allah**, they don't know **His** beloved Prophet-SAWS. **Allah** says, 'It is not death, it is the death of death! It is eternal life for the dead.' *Do not call those slain in Allah's Cause as dead.* - 2:154. The interpreters have explained that those 'people of God', whose hearts and bodies get saturated with **Allah**'s Zikr, those who achieve continual Zikr, may meet death in any form but they are granted the status of Shahadat (martyrdom) and they achieve eternal life. This is because their total effort in life is devoted to **Allah**, seeking **His** Good Pleasure. They are the ones who have lost their lives during life. They can lay down their lives, but they cannot neglect **Allah**'s Zikr. They can die but cannot leave **His** Zikr.

Someone asked a question through an email the other night, 'Doesn't one practically remain in **Allah**'s Zikr all of the time? One utters **His** Name every now and then, during work one would say, 'God willing, this would be done', one would remember **Allah** when meeting friends or parting with them. That way, one always remains engaged in

reflect, they will understand; the faculty of contemplation would develop with them; but how... '*those who remember **Allah** standing, sitting and reclining.*' Zikr is a vast term and in plain words it means 'to remember'. All of our actions that are in accordance with *Shari'ah* comprise **Allah**'s Zikr. That is Zikr by deeds or practical Zikr, whether it be earning a livelihood, doing business, maintaining relationships, carrying out *Jihad*, fighting on the battlefield or living within the family. If our verbal communication is in accordance with the *Shari'ah*, it is oral Zikr. We may read *Darud Sharif*, engage in **Allah**'s *Tasbeeh*, recite **His** Book, worship or may talk about **Him**, etc, all of this is included in oral Zikr. But there are times when all deeds get suspended. Man is a strange machine, he requires as much time to rest as he does to work. He works during the day and rests at night for the natural maintenance of his body. A loss of energy due to work is recouped; bones, flesh, veins and nerves are refreshed and toned up again and when he gets up in the morning, he is ready to work again. Now during this period of rest, he has not done any Zikr by way of deeds. Therefore, practically, constant Zikr by deeds is not possible. Even for oral Zikr, it is not possible that all of his talking during the day comprises **Allah**'s Zikr. If we write down all that we say during the day and review it in the evening, we would realize how we have wasted our day because there may be only a few sentences of any worth or value. Then, when we go to sleep, oral Zikr also stops but the breathing continues and so does the heartbeat. Similarly, if one gets sick or falls unconscious, the tongue may get tied, eyes may close, hands and feet may stop working but even then, the breathing would continue and so would the heartbeat.

The Prophetic way of beneficence was that, anyone who went to the holy Prophet-SAWS with the light of Faith was immersed in an ocean of light, each organ and cell of his body started performing Zikr. These blessings were there during the time of the Companions and anyone who went to them became a *Tab'i*. They were distributed in a similar manner during the time of the *Taba'in* and anyone who attended their company came to be known as a *Taba' Tab'i*. These three periods are known as *Khair ul-Quroon* - the best of all times. The holy Prophet-SAWS said, 'My time, the time that follows it and the time after that are, respectively, the best of all times.' After *Khair ul-Quroon*, religious knowledge was categorised, righteous scholars compiled and then organised the traditions of the holy Prophet-SAWS - the *Ahadith,* and the Book of **Allah** was translated into the native languages of the countries that it reached. Scholars fulfilled their duty of spreading religious knowledge to the masses in a most befitting manner and are discharging their blessed duty even today - may **Allah** forevermore keep this nation under their patronage! It is their favour that they expound **Allah**'s Message and the holy Prophet's-SAWS traditions to people. There was another category that also came into being which, alongwith knowledge, strove to acquire Prophetic blessings and spent a lifetime in absorbing Prophetic lights, radiated by the blessed bosom of the holy Prophet-SAWS into their bosoms. They came to be known as Sufis and *Mashaikh*. Such people were rare because the commodity they possessed was extraordinarily precious. You can find a grocery store around the corner of every street but if you want to buy diamonds, you won't find them at every store, even in big towns there won't be many jewellers. These Prophetic lights and blessings that radiated from the blessed bosom of the holy Prophet-SAWS were incomparably more precious than diamonds and therefore were very rare. Fortunate were those who searched across the globe for their bearers and acquired these blessings from them.

How much did people strive for these blessings...this you can comprehend from a small incident. There is a tomb of a saint near our lands here and in the 6th century he

can be perceived. When the Ruh becomes unconcerned with the apparent form of deeds and instead envisions their consequences in the Hereafter and on the Day of Judgement, it certainly reforms its conduct. But what keeps the Ruh alive, healthy and strong? The holy Quran has emphasised on numerous occasions that your most common action in life should be **Allah**'s Zikr: *Perform **Allah**'s Zikr most frequently*. - 33:41. Now taking food is an act, earning livelihood is an act, going about is an act, maintaining relations and doing business are also acts, but there are other actions that we keep on doing throughout our lives. We breathe without interruption and our hearts beat without a break - life halts when these stop. If we have to perform 'most frequent Zikr', we will have to do it more than our breathing and more than our heartbeats - but how is this possible?

It is a living miracle of the holy Prophet[-SAWS] that he made possible this 'impossibility'. When those people who attended his blessed company and came to be known as the Companions went to him, the light reflected by his blessed *Qalb* instantly illuminated each cell of their bodies – *Then mellowed their skins and hearts towards **Allah**'s Zikr*. - 39:23. The reflection of Prophetic lights infused them, from the outermost to the innermost parts of their bodies, with **Allah**'s Zikr and each cell of their bodies began performing **Allah**'s Zikr. Now, one can only breathe once at any given moment, but at that same moment, there would be billions of cells performing **Allah**'s Zikr. This way, **Allah**'s Zikr would accordingly exceed respiration Similarly, the heart may beat only once in a moment, but the billions of cells that it is made of, alongwith the countless cells of the rest of the body, would be performing **Allah**'s Zikr. Within that one heartbeat, the body would perform **Allah**'s Zikr zillions of time. But there is only one way - only one: attain those blessings from the holy Prophet Muhammad[-SAWS]! **Allah** says there are signs in the creation of the heavens and the earth, and in the alternation of days and nights, for a person with the Light of Faith, the one whose nature is still pure, who hasn't yet turned into an animal and still retains some human qualities.

The creation of the heavens and earth, the days and nights, the unending process of creation that produces innumerable forms of life on earth every moment, fruits that ripen, trees that bloom, crops that grow and the blades of grass that take root, all of these contain visible signs. Nobody can count the things that are being created or destroyed each moment. The continuous process of change, creation and extinction contain magnificent signs of **Allah**'s Greatness for the wise. Who are these wise men? The holy Quran explains, 'Wise are … *those who remember **Allah** standing, sitting and reclining*'; that is, they remember **Allah** at all times, in all the states, not even a moment is spent without **Allah**'s Zikr - they are the wise! When this constant Zikr is achieved, the vision is broadened '*and they reflect upon the creation of the heavens and the earth.*' They acquire wisdom and reflect upon the creation of the heavens and the earth, the systems supporting the universe, life and death, and the phenomenon of 'rise and fall'. The sun rises pale, turns into a fireball at noon and turns pale again as it sets. Similarly, the seeds sprout, grow into huge trees and finally fall to become firewood. Crops grow and sway in the fields like waves, to finally dry and perish. It is a cycle, permanent and continuous, without the slightest bit of deviation. The world has been in existence since time immemorial, yet if only a single ray of sunlight had been extinguished everyday, by now the sun would have become cold and the solar system frozen; if only one ray (of sunlight) had been increased each day, the solar system would have been incinerated by now. But there is someone…someone who has kept in check everything under *His* Command, so that nothing happens before or after its appointed time. These are signs for the wise, they will

Constant Zikr and the Taste of Association

Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
Dar ul-Irfan, Munarah

3rd May 2002

*Indeed in the creation of the heavens and the earth and in the alternation of the night and day are signs for men of understanding. Those who remember **Allah** standing and sitting and lying on their sides, and reflect on the creation of the heavens and the earth; our Lord! You have not created all this in vain. Hallowed be **You**! Save us **You** from the torment of the Fire.* (3:190-191)

Apparently, the world is touching the zenith of advancement, but does material progress, beautification of the body, abundance in food and wealth portray the pinnacle of human excellence? Is man just the name of a body alone? No, not at all! Man is a wonderful creation of Almighty **Allah**. The human body has a role in worldly affairs only, while the reality lies within this visible form. It permeates every cell of the body and is called the Ruh (spirit) - a wonder of Divine creation. When the holy Prophet-SAWS was questioned about it, the reply was given by Almighty **Allah**, *Say: the Ruh is by my Lord's Command*. (17:85). Command is an Attribute of **Allah**. How then was the Ruh created from this Sublime Divine Attribute? Was it created through its image or reflection? In response, it was said, *And of knowledge you have been given but a little.* (17:80). It is beyond human intellect to comprehend this point; you haven't been granted the ability to understand it.

The real human dwells inside this body, a body which is created from clay and its clothing, food and medicines all originate from the earth. It can sustain itself even with the minimum of provisions and can live on ordinary food, cheap clothes and cheap shelter. But can it survive if its connection with the earth is totally severed? The Ruh is a creature of the Realm of Command. When its connection with the Realm of Command breaks, it resembles a body whose connection with the earth is severed; it cannot remain alive. When the Ruh of a person is not alive...what is the life of the Ruh? The body gets its life when the Ruh flows into it. Similarly, the Ruh gets its life when the light of Faith flows into the Qalb. The Ruh of a person is dead whose heart is without this light or is filled with Kufr. If you watch a Kafir, he would be more like an animal and less like a human being. He would be selfish, immoral, wicked and be inclined, like a snake, to bite and destroy fellow creatures. If we look at our society the question becomes, 'Why has everybody turned against each other, why is it that everyone is out to harm others?' The basic reason is that the Ruh has died.

Prophets were sent to teach human qualities to the children of Adam-AS. The word *Insan* (human) is derived from *Uns* (love). When life flows into Ruh, it generates love and kindness. One starts thinking about the welfare of **Allah**'s creation: how can I help a human being, how can I benefit others? This is the difference between the life and death of the Ruh. When the Ruh is given life, a special consciousness develops, the thought process is modified, horizons of perception are broadened and one's conduct is reformed. This extended perception does not remain confined to this world only, even the Last Day